نقش پائے

اہلبیتؑ

از : سید ہاشم موسوی

نام کتاب _ نقش پائے اہلبیتؑ

مولف _ سید ہاشم موسوی

مترجم _ سید قمر عباس

ناشر _ سازمان فرہنگ و ارتباطات شعبۂ ترجمہ و اشاعت

سال طبع _ رجب المرجب ۱۴۱۸ھ

ISBN 964-472-089-x

فہرست

عرض ناشر

خدا وند عالم نے اپنے لطف عمیم سے انسانوں کی فلاح و نجات کے لئے انسانیت و شرافت ، اخوت و محبت اور یکجہتی و اتحاد کے نقیب اعظم حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ایک مکمل اجتماعی دین اور اتحاد آفریں کتاب ، قرآن کریم کے ساتھ بھیجا ، چنانچہ ارشاد ہوا : **لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم ...** اور جس کا آفاقی پیغام تھا : **واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا...**

پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد امت اسلامیہ فرقوں ، مذہبوں اور گروہوں میں تقسیم ہو گئی ۔ کیا یہ تقسیم ، الٰہی مقاصد اور فطری تقاضوں کے تحت تھی ؟ یا اس میں کچھ اور بھی اغراض پوشیدہ تھے ؟ اگر الٰہی و فطری مقاصد کے تحت تھی تو خود آنحضرتؐ کے بقول تہتر فرقوں میں سے صرف ایک ہی فرقہ ناجی اور جنتی کیسے ہو

سکتا ہے؟ اور کیا آنحضرتؐ کی نظر میں ناجی قرار پانے والے فرقہ و مذہب کی نشاندہی ممکن ہے ؟ اور بلا افتراق مذہب و ملت و ملت تمام مسلمانوں کے درمیان حضور سرور کائنات کی اس مشہور و متفق علیہ حدیث : **انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللّٰہ و عترتی اهل بیتی ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی انهما لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض** ... کے کیا معنی ہو سکتے ہیں ؟

زیر نظر کتاب میں ان سوالوں کے جواب بھی موجود ہیں اور اسلام دشمن طاقتوں کی سازشوں سے امت اسلامیہ کو محفوظ رہنے کی تلقین بھی ہے ۔

امید ہے قارئین کرام اسے پسند فرمائیں گے ۔

شعبۂ نشر و اشاعت

سازمان فرہنگ و ارتباطات اسلامی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ علی سید المرسلین محمد و آلہ الطاہرین و صحبہ المیامین و بعد : بے شک یہ مختصر سی بحث ، ایک فکری اور سیاسی روش کی حیثیت سے ، اہل بیت علیہم السلام کی فکری نہج کے تعارف کے لئے ایک ثقافتی کوشش ہے ۔ جس میں اہل بیت اطہار کی محبت نیز قرآن و سنت کی رو سے اسلامی مفاہیم کے صحیح ادراک کے سلسلے میں ان کے مکتب کے اہم کردار کے متعلق بحث کی گئی ہے ۔

اہل بیت علیہم السلام کی پاک شخصیتوں کے اس معمولی سے تعارف کا مقصد مسلمانوں کو اتحاد کی طرف دعوت دینا اور اس راہ میں حائل مختلف رکاوٹیں دور کرنا ہے ، اس کے ساتھ ہی اس کتاب میں اہل بیت علیہم السلام کے خاص فکری نہج کی بنیادوں اور مکتبی ساخت کی وضاحت کی گئی ہے ۔

ہم تمام مسلمانوں اور اسلام کے عظیم مفاہیم کو پھیلانے والے ، اتحاد بین المسلمین اور اس کی عظمت رفتہ لوٹا کر اسے ایک معاشرتی طرز زیست اور حکومتی نظام کی حیثیت سے متعارف کرانے والے تمام قارئین سے اپیل کرتے

ہیں کہ وہ سامراج کے سازشی تانے بانے سے ہوشیار رہیں جو امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کرکے ان کے درمیان اختلافات ڈالنے کی غرض سے مسلکی جھگڑوں کو ہوادینے ، شکوک و شبہات پیدا کرنے ، مختلف مسلکوں اور مذہبی رہنماؤں کے درمیان انانیت کے پردے حائل کرنے کی کوششوں میں مشغول ہیں۔

ہمیں اس سلسلے میں ہمیشہ علمی مباحثوں اور تنقید کے معاملے میں ایک اصول کا خیال رکھنا چاہیے ،اس کے ساتھ ہی قرآن کے اس راستے کی پیروی کرنی چاہیے جس کے تحت اس عظیم الہی کتاب نے زمانے کے سیاسی چیلنجوں سے مقابلے کے لئے امت کے اتحاد اور اس کے سیاسی ڈھانچے میں یکسانیت پر زور دیا ہے۔

خدا سے امید ہے کہ وہ ہماری یہ معمولی سی کوشش کو شرف قبولیت بخش کر مزید توفیق عطا کرے گا کہ بے شک وہ سننے والا اور جواب دینے والا ہے۔

مولف

تمہید

دعوت اسلامی کے ابتدائی مراحل میں امت اسلامی نبوت کے زیر سایہ آپس میں مکمل فکری اور سیاسی یکجہتی کے ساتھ زندگی بسر کر رہی تھی کیونکہ ان کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی مبلغ تھے اور وہی شریعت کو بیان کرنے والے مسلمانوں کے واحد رہنما اور حاکم تھے۔

مگر جیسے ہی وہ خدائے وحدہ سے ملحق ہوئے امت میں مختلف فکری اور سیاسی طرز فکر جنم لینے لگے اور یہ سارا اختلاف خلافت اور امامت کے مسئلے پر تھا جو در اصل مختلف افکار اور مختلف افراد کے خوابوں کا نتیجہ تھا۔

اس اختلاف کے علاوہ امت اسلامی کے درمیان ایک دوسرا سبب بھی وجود میں آ چکا تھا جس کی وجہ سے امت اور بھی اختلاف کا شکار ہوگئی اور وہ اسلام کےادراک اور اس کے مختلف احکامات کی وضاحت کے سلسلے میں تھا لہذا اسلامی اصول اور اس کے بنیادی احکامات میں اختلاف کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان مختلف مکاتب فکر اور مذاہب نے جنم لیا۔

انہی فکری اور سیاسی تصادم میں اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ایک مکتب فکر تھا۔ امام علیؑ اور ان کے فرزند علیہم السلام بھی ایک خاص طرز تفکر اور سیاسی موقف رکھتے تھے۔ ان سارے عوامل اور حالات کے پیش نظر مسلمانوں کا چند فرقوں اور دھڑوں میں تقسیم ہو جانا قدرتی تھا۔

تاریخی اعتبار سے امام علی علیہ السلام کے اطراف منظم شکل میں اکٹھا ہونے والا پہلا گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے ممتاز اصحاب پر مشتمل تھا جو آپؐ کی وفات کے فوراً بعد امام علیؑ کے پاس آکر جمع ہو گئے تھے انہوں نے سقیفہ میں ہونے والے بیعت کے ڈرامے کو ماننے سے انکار کرتے ہوئے حضرت علی علیہ السلام کو خلافت کا سب سے بڑا حقدار مانا۔ لیکن حالات کا رخ دیکھ کر اس گروہ نے اپنے ہونٹ سل لئے اور اس عظیم تاریخی موڑ پر صبر سے کام لیا۔

یہ سلسلہ عثمان کے دور خلافت میں امویوں کے تسلط تک قائم رہا اس وقت ایک دفعہ پھر ابو ذر غفاری، عمار یاسر اور محمد بن ابو بکر جیسے اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم کے جاں نثار اصحاب سیاسی اصلاحات کے لئے میدان عمل آگئے۔

اور پھر قتل عثمان کے بعد امام علیؑ کی بیعت کے مطالبے نے اہل بیت علیہم السلام سے محبت کرنے والوں اور ان کے سیاسی اور فکری پیروکاروں کو ایک الگ مقام پر لا کھڑا کیا لہذا معاویہ بن ابو سفیان کی قیادت میں امویوں کے تسلط سے مقابلہ کرنے لئے اہل بدر اور بیعت رضوان وغیرہ کے تمام مہاجرو انصار

اصحاب نے علی علیہ السلام کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ آخر کار سن ۴۰ ہجری میں امام علیؑ کی شہادت کے ساتھ ہی امامت کے ستارے کے چھپنے اور مجبوری کے تحت معاویہ کے حق میں امام حسنؑ کے مسند خلافت سے اترنے کے بعد امویوں کے نزدیک اہل بیت علیہم السلام کی محبت اور ان کے راستے کی پیروی ایک ایسے جرم میں تبدیل ہوگئی جس کی سزا موت، جیل کی سلاخیں اور ایذا رسانی کے ایک لامتناہی سلسلے سے کم نہ تھی۔

مگر ان سب کے باوجود اہل بیت علیہم السلام کی محبت اور ان کی پیروی کا سلسلہ جاری رہا اور ان کی فکری، نظریاتی اور فقہی روش سیاسی میدانوں میں روز افزوں اثر و رسوخ پیدا کرتی چلی گئی اور ان کے اثرات نشو و نما پاتے رہے۔

یزید بن معاویہ کے خلاف امام حسین علیہ السلام کے جہاد اور سن ۶۱ ہجری میں آپؑ کی شہادت نے اہل بیت علیہم السلام کے پیروکاروں کو "شیعہ" کے نام سے مشہور کر دیا اور اس طرح اہل بیت علیہم السلام کی محبت اور اطاعت "تشیع" کہی جانے لگی۔ یہ اور بات ہے کہ سیرت کی کتابوں میں ہمیں یہ ملتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانے میں بھی لفظ شیعہ کا اطلاق آپؐ کے چار اصحاب (ابو ذر، سلمان، عمار یاسر اور مقداد) پر ہوتا تھا اور یہ لوگ اسی زمانے میں شیعیان علیؑ کے نام سے معروف تھے۔

اس مختصر سی بحث کے دوران ہم اس فکری مکتب کے خاص خاص موضوعات پر کچھ گفتگو کریں گے، اس مکتب فکری کا جائزہ لیں گے جو اسلام کا حقیقی چہرہ

ہے اور جس کی بنیاد علیؑ اور ان کے فرزندوں کے ہاتھوں پڑی جو ان کے اسلامی طرز تفکر کو لے کر اس خواب کی تعبیر ہے جو علیؑ اور ان کی اولاد نے اسلام کے سلسلے میں دیکھا تھا اور جس کے تناظر میں انھوں نے کتاب خدا اور سنت نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سمجھا تھا۔

تشیع اور اس کا آغاز

لغوی اعتبار سے " شیعہ " کے معنی پیروکار اور مددگار کے ہیں لیکن بعد میں لفظ شیعہ ایک خاص اصطلاح کے طور پر استعمال کیا جانے لگا اور یہ حضرت علی علیہ السلام کے پیروکاروں کے لئے مخصوص ہو گیا۔

ابن منظور نے اپنے مشہور لغت " لسان العرب " میں الازہری سے نقل کرتے ہوئے شیعہ کے یہ معنی بتائے ہیں:

شیعہ وہ قوم ہے جو عترت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق کرتی ہے اور ان کی ولایت کی قائل ہے۔ یہ نام علیؑ اور ان کے اہل بیت کو چاہنے والوں کے لئے استعمال ہوتا تھا یہاں تک کہ اب یہ لفظ ان کا مخصوص نام ہو گیا ہے۔

بلا شبہ اگر ایک اسلامی مکتب کے طور پر شیعیت کا جائزہ لیا جائے تو اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ علیؑ اور ان کے اہل بیت کی محبت وہ خشت اول اور بنیاد ہے جس پر اس مکتب کی پوری عمارت کھڑی ہوئی ہے اور چونکہ امامت ہی پیغمبری کے سلسلے کو جاری رکھنے کا وسیلہ ہے اور شریعت کی وضاحت اور تطبیق

میں اسے نہایت اہمیت حاصل ہے لہذا امامت بھی اسلامی عقائد کا ایک بنیادی رکن ہے جسے خوارج اور معتزلہ کے علاوہ تمام اسلامی فرقے اتفاق رائے کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ خود قرآن مجید کی آیات بھی امامت کو اپنے چنے ہوئے خاص بندوں کا عہدہ قرار دے کر اس کی بے انتہا اہمیت اور اس کی سیاسی اعتقادی اور فکری قدر و اہمیت پر تاکید کرتی ہیں۔

خداوند عالم امامت کے سلسلے میں اپنے خلیل حضرت ابراہیمؑ سے ہونے والی گفتگو کی حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

" و اذ ابتلی ابراهیم ربه بکلمات فاتمهن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی ؟ قال لا ینال عهدی الظالمین " (۱)

(اور جب ابراہیمؑ کو ان کے رب نے بعض کلمات کے ذریعے آزمائش میں ڈالا اور انھوں نے ان کلمات کو تمام کر لیا تو اس نے کہا میں تمھیں لوگوں کا امام بناتا ہوں تو انھوں نے کہا اور میری ذریت تو اس نے کہا میرا عہدہ ظالموں کو نہیں مل سکتا۔)

اس کے علاوہ امامت کے مستحق نبیوں کی صفات کے بیان کے موقع پر دوسری آیت میں بھی ہم امامت کی حیثیت اور اس کے مقام کے متعلق پڑھتے

(بقرہ: ۱۲۴

ہیں۔

" و جعلنا منہم ائمۃ یہدون بامرنا لما صبروا و کانوا بآیاتنا یوقنون۔ " (۱)

(اور ہم نے ان میں سے ایسے امام بنائے ہیں جو اپنے صبر کی وجہ سے ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں اور وہ ہماری نشانیوں کا یقین رکھتے تھے۔)

اسلامی راہ کے جاری رکھنے، شریعت کی بقا اور اسے خالص رکھنے کے سلسلے میں امامت کی اہمیت ہی کے پیش نظر ہم آنحضرتؐ کو دیکھتے ہیں کہ آپ امامت اور ایمان کے درمیان ایک بنیادی رابطہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

" من مات و لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ " (۲)

(جو اپنے زمانے کے امام کی معرفت حاصل کئے بغیر مر جائے تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔)

اسی طرح آپ نے فرمایا۔

" من مات و لیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ " (۳)

(جو بغیر بیعت کے مر جائے اس کی موت جاہلیت کی موت ہوتی ہے۔)

نیز آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

---

(۱) سجدہ: ۲۴

(۲) شیخ مفید / عدۃ رسائل المفید: ص ۳

(۳) بیہقی / السنن الکبری: ج ۸ ص ۱۵۶، صحیح مسلم: ج ۴ ص ۱۲۶ / ح ۱۸۵۱

" من مات بغير امام مات ميتة جاهلية " (۱)
(جو بغیر امام کے مر جائے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے ۔)
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انھیں بیانات کی بنیاد پر ہم دیکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام بھی امت کے فکری اور سیاسی امور میں امام کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔
" لو لم يكن في الارض الا اثنان لكان الامام احدهما ۔ " (۲)
(اگر پوری دنیا میں صرف دو ہی شخص باقی رہ جائیں تب بھی ان میں ایک امام ہوگا ۔)
انھیں حقائق کی بنا پر شیعی مکتب نے امامت کو بڑی اہمیت دی ہے اور اس کا ایمان ہے کہ امامت در اصل نبوت کی جانشین ہے اور یہ نبی کی نیابت میں دین و دنیا کے معاملات کسی میں ایک شخص کا مکمل اقتدار ہے ۔ (۳)
یہی وجہ ہے کہ شیعی مکتب میں امامت ، نبوت کا عہدہ اور اس کی نیابت کا نام ہے اور اس مکتب کے مطابق نبوت کے بعد امامت کے لائق افراد کا انتخاب نبی کی ذمہ داری ہے ۔
اسی لئے شیعی مکتب کا ایمان ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ الوہی پیغام کو جاری رکھنے

---

(۱) طبرانی / المعجم الکبیر : ج ۱۹ ص ۳۸۹ / ح ۹۱۰
(۲) کلینی / الاصول من الکافی : ج ۱ ص ۱۸۰
(۳) علامہ حلی / الباب الحادی عشر : ص ۶۹

والے اور امت کی اصلاح کے ذمہ دار سلسلے امامت جیسے با اہمیت مسئلے کو نبیؐ اکرم یوں ہی چھوڑ دیں تاکہ اس کی وجہ سے امت میں اختلافات ہوں اور ان کا اتحاد ختم ہو جائے ۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو امت کے مستقبل کی فکر بھی تھی اور وہ اس الٰہی پیغام اور راستے کے محافظ بھی تھے لہذا شیعہ قرآن مجید کے مختلف بیانات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی احادیث اور موقف سے استدلال کرتے ہوئے یہ ثابت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الٰہی پیغام کی طرف لوگوں کو دعوت دینے کے پہلے مرحلے میں ہی اس پیغام کو جاری رکھنے کے لئے چند اصحاب کی تربیت کا خاص خیال رکھا تاکہ یہ لوگ آگے چل کر اس فکر و راہ کے لئے ایک سنگ میل بن جائیں اور ایسے شاگرد کی حیثیت اختیار کر لیں جو رسالت کی تمام ضروریات کے لئے مددگار ثابت ہوں نیز وہ اسلام کی عظیم انقلابی تحریک کے مشتملات سے بخوبی واقف ہوں ۔

ان تمام مقاصد کی تکمیل کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کی تربیت اور انھیں آئندہ ذمہ داری کے لئے آمادہ کرنے پر اپنی ساری توجہ مرکوز کر دی یہاں تک کہ تاریخ شاہد ہے کہ آنحضرت کی جتنی توجہ حضرت علی علیہ السلام کی تعلیم و تربیت پر تھی اتنی کسی بھی صحابی پر نہیں تھی۔

اسلام کے ابتدائی دور ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت

علی علیہ السلام کو اپنے خاندان میں شامل کرلیا تھا اور مبعوث ہونے سے قبل ہی انھیں اپنے گھر میں لے گئے اور اپنے الوہی اخلاق کے سائے تلے ان کی پرورش کرنی شروع کردی۔

اس طرح سے امام علی علیہ السلام کی تعلیم و تربیت ایک ایسے گھر میں ہوئی جو جاہلیت کی آلودگیوں سے یکسر پاک تھا اور جس گھر نے آپ ؑ کو اس بت پرست معاشرے کے غلط اثرات سے دور رکھا تھا لہذا پوری زندگی میں آپ نے ایک لمحے کے لئے بھی کسی بت کے سامنے سر نہیں.جھکایا۔

جب اللہ تعالی نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم کو تمام مخلوقات کی ہدایت کے لئے رسالت کا عظیم عہدہ سونپا تو اس وقت بھی تمام لوگوں میں سب سے پہلے حضرت علی علیہ السلام ہی آپ کی تصدیق اور آپ کی تعلیمات کو قبول کرنے والے تھے۔

اس طرح امام علی علیہ اسلام اس الہی دعوت اور رسالت عظمیٰ کے ابتدائی مراحل ہی میں اپنے افکار و خیالات کے ساتھ نبی اکرم کے شانہ بشانہ رہے جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو وہ تمام علوم و معارف سکھادیئے جو آپ نے بارگاہ خداوند عالم سے حاصل کئے تھے۔

اس تعلیم کا انداز بالکل ایسا ہی تھا جیسے کوئی استاد اپنے ممتاز اور باصلاحیت شاگردوں پر خاص توجہ دیکر انھیں تعلیم دیتا ہو۔

نسائی نے ابن عباس کے حوالے سے حضرت علی علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا

ہے ۔

" کانت لی ساعة من السحر ادخل فیھا علی رسول اللّٰہ فان کان فی صلاته سبح فکان ذلک اذنه لی و ان لم یکن فی صلاته اذن لی " (۱)

(میں ہر صبح رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس جایا کرتا تھا اگر آپ نماز میں ہوتے تو تسبیح پڑھتے جو میرے لئے اذن دخول ہوتا اور اگر نماز میں نہ ہوتے تو مجھے اندر آنے کی اجازت دے دیتے ۔

اسی طرح ایک اور جگہ نسائیؒ ہی نے حضرت علی علیہ السلام سے نقل کیا ہے ۔

" کان لی من النبی مدخلان : مدخل باللیل و مدخل بالنھار فکنت اذا دخلت باللیل تنحنح لی " (۲)

(میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو دفعہ ملاقات کرتا تھا ایک دفعہ دن میں اور ایک دفعہ رات میں ۔ جب بھی آنحضرت کے پاس رات میں جاتا تھا تو آپ کھنکھار کر اجازت دیتے تھے ۔

اسی طرح نسائیؒ نے حضرت علی علیہ السلام سے نقل کیا ہے ۔

" کنت اذا سالت رسول اللّٰہ اعطانی واذا سکتّ ابتدانی " (۳)

(میں جب بھی رسول خدا سے کچھ مانگتا تو مجھے عطا کرتے تھے اور اگر میں

---

(۱) نسائیؒ / السنن الکبری ۔ کتاب الخصائص : ج ۵ ص ۱۴۱ / ح ۸۵۰۰

(۲) مذکورہ حوالہ ۔

(۳) مذکورہ حوالہ

خاموش رہتا تو خود ہی عطا کرتے۔)

حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے کہا ہے۔
یہ حدیث شیخین کی شرط کے ساتھ "صحیح" ہے اور انھوں نے اس حدیث کو نقل نہیں کیا۔ (۱)

اس طرح حضرت علی علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی محبت و الفت کا ذکر کرتے ہوئے اس وقت کو یاد کرتے ہیں جب آپ آنحضرتؐ کے گھر میں تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام کی تربیت کرتے تھے۔ امام فرماتے ہیں:

"ولقد کنت اتبعه اتباع الفصیل اثر امه یرفع لی فی کل یوم من اخلاقه علماً و یامرنی بالاقتداء به ... (۲)

(میں رسول خدا کے پیچھے یوں چلتا تھا جیسے دودھ پینے والا اونٹ کا بچہ اپنے ماں کے پیچھے پیچھے چلتا ہو، آپؐ ہر روز اپنے اخلاق کا ایک نمونہ میرے سامنے پیش کرتے اور مجھے اس کا اتباع کرنے کا حکم دیتے تھے۔)

حضرت علی علیہ السلام پر نبی اکرمؐ کی خاص توجہ اور مختلف مواقع پر امام علیؑ کی خاص منزلت کی وضاحت کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ پر یہ بات واضح ہو گئی کہ نبی اکرمؐ حضرت علیؑ کو امامت

---

(۱) مستدرک الحاکم: ج ۳ ص ۱۲۵ کتاب معرفۃ الصحابۃ۔ فضائل علی ابن ابی طالب
(۲) نہج البلاغہ / ترتیب صبحی الصالح: ص ۳۰۰ خطبہ ۱۹۲

اور قیادت کی عظیم ذمہ داری کے لئے تیار کر رہے ہیں۔

دعوت ذوالعشیرہ کے وقت جب اللہ نے حکم دیا " **و انذر عشیرتک الاقربین** " (۱) تو اس سلسلے میں حضرت علیؑ سے روایت منقول ہے: آنحضرتؐ نے اپنے خاندان کے تیس افراد کو دعوت دی اور انھیں کھانا کھلایا۔ جب وہ کھا چکے تو آپؐ نے ان سے فرمایا:

" من یضمن عنی دینی و المواعیدی و یکون خلیفتی و یکون معی فی الجنة ؟ "

کون میرے قرضوں اور وعدوں کی ضمانت لے کر میرا خلیفہ بنے گا اور جنت میں میرے ساتھ رہے گا؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: میں۔ تو آنحضرت نے جواب دیا: ہاں تم۔ (۲)

آنحضرت کا وہ جملہ بھی نقل کیا گیا ہے جو آپ نے جنگ تبوک کے موقع پر حضرت علیؑ کو مدینہ میں چھوڑتے ہوئے آپؑ سے فرمایا تھا:

" اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسی الا انه لا نبی بعدی " (۳)

(کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ مجھ سے تم کو وہی نسبت ہے جو ہارون کو

---

(۱) شعراء: ۲۱۴

(۲) مسند احمد بن حنبل: ج ۱ ص ۱۱۱، تاریخ الطبری: ج ۲ ص ۳۲۱، الحسکانی / شواہد التنزیل: ج ۱ ص ۵۴۳

(۳) مسند احمد بن حنبل: ج ۱ ص ۱۷۷، صحیح مسلم: ج ۲ ص ۳۶۰ کتاب الفضائل الصحابة۔ فضائل علیؑ ...

موسیٰ سے تھی اس فرق کے ساتھ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے ؟)
اسی طرح آنحضرت کا یہ قول بھی مروی ہے :

" ان علیاً منی و انا من علی لا یودی عنی الا انا او علی " (۱)

(بلا شبہ علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے میرے قرضے یا تو میں ادا کروں گا یا پھر علی ۔)

البتہ شیعہ مکتب فکر نے جس طرح آنحضرت کے ان موقفوں کو بطور دلیل پیش کیا ہے اسی طرح اس مکتب نے قرآن مجید کی ان آیات سے بھی اپنی بات ثابت کی ہے جن میں متعدد مقامات پر حضرت علی علیہ السلام کی تعریف وتوصیف کی گئی ہے مثلاً :

" انما یرید اللّٰہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطهر کم تطهیراً " (۲)

بلا شبہ رسول اکرم صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے قول و فعل دونوں سے اس آیت کی تفسیر فرما دی ہے ۔

جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر در منثور میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے یہ روایت نقل کی ہے :

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول خدا صلی اللّٰہ علیہ آلہ وسلم نے

---

(۱) مسند احمد : ج ۴ ص ۱۶۴ ۔ ۱۶۵ ، سنن الترمذی : ج ۵ ص ۵۹۴ ۔

(۲) احزاب : ۳۳ ۔

علیؑ فاطمہؑ حسنؑ اور حسینؑ کو اپنی چادر میں اکٹھا کیا اور فرمایا:

" اللهم هؤلاء اهل محمد فاجعل صلواتک و برکاتک علی آل محمد کما جعلتها علی آل ابراهیم "

(پالنے والے یہ محمد کے گھر والے ہیں لہذا تو اپنی صلوات اور برکات آل محمد کے لئے قرار دے جس طرح تونے ابراہیم کی آل کے لئے قرار دیا تھا۔)

اس روایت کی تصدیق حاکم نے اپنی شواہد النزول میں (۱) طحاوی نے مشکل الاثار (۲) احمد بن حنبل نے مسند میں (۳) اور نسائی نے سنن کبری میں کی ہے (۴)

اس کے علاوہ خداوند عالم کے اس قول سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے:

" انما ولیکم اللہ و رسوله والذین آمنوا الذین یقیمون الصلاة و یؤتون الزکاة وهم راکعون و من یتول اللہ و رسوله والذین آمنوا فان حزب اللہ هم الغالبون" (۵)

(تمہارا ولی صرف اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان جو نماز قائم

---

(۱) الحسکانی / شواہد التنزیل: ج ۲ ص ۲۶ - ۲۷

(۲) مشکل الاثار: ج ۱ ص ۳۳۲

(۳) مسند احمد بن حنبل: ج ۴ ص ۱۰۷

(۴) والسنن الکبری - کتاب الخصائص: ج ۵ ص ۱۰۷ / ح ۸۳۹۹

(۵) مائدہ: ۵۵ - ۵۶

کرتے ہیں اور رکوع کی حالت میں زکات ادا کرتے ہیں ۔ اور جو بھی اللہ ، رسول اور صاحبان ایمان کو اپنا ولی و سرپرست بنا لے گا تو بے شک اللہ کی جماعت ہی غالب آنے والی ہے ۔)

اس آیت کے متعلق تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ حضرت علی علیہ السلام کی شان میں اس وقت نازل ہوئی جب آپؑ نے مسجد میں داخل ہونے والے فقیر کو رکوع کی حالت میں صدقہ دیا تھا ۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت کا خطاب

شیعی مکتب کے لحاظ سے امامت ایک نبوی ذمہ داری اور عہدہ ہے جس کی وضاحت کرنے نیز اپنی زندگی کے بعد اس عظیم عہدے کو قبول کرنے کے لئے امت کو نفسیاتی اور فکری لحاظ سے تیار کرنے کے لئے آنحضرت نے بڑی مشقتیں اٹھائی ہیں۔

آنحضرتؐ کے حج آخر کا موقع تھا۔ ذی الحجہ کی اٹھارہویں تاریخ تھی حجاج ایک دوسرے سے جدا ہونے سے قبل غدیر کے مقام پر اکٹھا ہوئے تھے۔ آپؐ نے اپنی آخری ذمہ داری نبھاتے ہوئے لوگوں سے خطاب کیا۔

اس لازوال تاریخی منظر کو امام احمد بن حنبل نے اس طرح بیان کیا ہے:

عدی بن ثابت نے براء بن عازب کے حوالے سے کہا ہے: ہم دو درختوں کے نیچے آنحضرتؐ کے ساتھ تھے، آنحضرتؐ نے نماز ظہر ادا کی اور علیؑ کا ہاتھ پکڑ

کر فرمایا:

"کیا تمھیں نہیں معلوم کہ میں مومنوں کے نفوس پر ان سے زیادہ اختیار رکھتا ہوں؟ لوگوں نے کہا:

"کیوں نہیں۔"

تو آپؐ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

"من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ

راوی کہتا ہے: اس واقعے کے بعد عمر حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

ابو طالب کے بیٹے، مبارک ہو! تم ہر مومن اور مومنہ کے مولا ہوگئے۔

ابو عبد الرحمن کہتے ہیں: ہم سے ہدبۃ بن خالد نے کہا کہ ہم سے حماد بن مسلمہ نے علی بن زید سے اور انھوں نے عدی بن ثابت سے براء بن عازب کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے بھی آنحضرت سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔ (۱)

نسائی نے زید بن ارقم سے نقل کیا ہے کہ جب آنحضرتؐ حج آخر سے واپس لوٹتے ہوئے غدیر خم میں ٹھہرے تھے تو آپؐ نے خیمے نصب کرنے کا حکم دیا اور اس کے بعد فرمایا:

"کانی دعیت فاجبت انی قد ترکت فیکم الثقلین احدھما اکبر

---

(۱) مسند احمد: ج ۵ ص ۳۵۵ / ح ۱۸۰۱۱ ط (۱) دار احیاء التراث العربی / ۱۴۱۲ ھ

من لاخر کتاب اللہ و عترتی اھل بتی فانظروا کیف تخلفونی فیھما فانھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض"

(مجھے بلایا گیا ہے اور میں نے اس دعوت پر لبیک کہہ دیا ہے بلا شبہ میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جن میں ایک دوسرے سے برتر ہے اللہ کی کتاب اور میرے اہل بیت لہذا دھیان رکھنا کہ تم ان کے متعلق میرے بعد کیا کرتے ہو اور یہ دونوں اس وقت تک ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوگے جب تک میرے پاس حوض کوثر پر نہ پہنچ جائیں)

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

" ان اللہ مولای و انا ولی کل مومن ۔ "

(بلاشبہ خدا میرا مولا ہے اور میں ہر مومن کا ولی ہوں ۔)

اس کے بعد آپؐ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

" من کنت ولیہ فھذا ولیہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ "

(جس کا میں ولی ہوں اس کے یہ علیؑ ولی ہیں ۔ پالنے والے ! انھیں دوست رکھنے والے کو تو دوست رکھنا اور ان سے دشمنی کرنے والے سے دشمنی رکھنا ۔(۱)

انہی تمام باتوں کی بنا پر اصحاب کے ایک خاص گروہ کا یہ ایمان تھا کہ حضرت علی علیہ السلام دوسروں کے مقابل خلافت اور امامت کے زیادہ حقدار ہیں ۔

---

(۱) نسائی / السنن الکبری ۔ کتاب المناقب : ج ۵ ص ۴۵ ح / ۸۱۴۸

ان کا یہ ایمان اس طرح کے واقعات اور قرآن کی آیت : **انما ولیکم اللہ و رسولہ و الذین آمنوا الذین یقیمون الصلاۃ و یوتون الزکاۃ وھم راکعون** ... میں موجود کلمہ " ولایت " کے مفہوم اور آنحضرتؐ کے قول **من کنت مولاہ** ... کی بنیاد پر تھا ۔

کلمہ " ولایت " سے ان کی سمجھ میں یہ آیاکہ اس کا مطلب خلافت اور امامت کا استحقاق ہے ، خاص طور پر اس لئے بھی کہ اسی کے ساتھ آنحضرتؐ نے یہ بھی سوال کیا تھا کہ کیامیں مومنوں کے نفوس پر ان سے زیادہ حق نہیں رکھتا ؟ اور پھر اس کے فوراً بعد آپؐ کا یہ کہنا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کے علی مولا ہیں ۔

لہذا انھیں یقین ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ولی امر مسلمین ہونے کے اعتبار سے اپنی صلاحیت علی علیہ السلام کی طرف منتقل کر دی ہے اسی یقین اور وضاحت کی بنیاد پر انھوں نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنا لیا اور ان کے گرد اکٹھا ہوگئے اور لوگ حضرت علیؑ کے شیعہ تھے جنھوں نے امام کی شخصیت میں امامت اور امت کی فکری مرکزیت کو محسوس کر لیا تھا ۔

اسی طرح حضرت علیؑ کی امامت اور خلافت پر سقیفہ میں ہونے والی ابوبکر کی بیعت سے آپ کے انکار اور خلافت کو اپنا حق سمجھ کر اس کے مطالبے کو بھی استدال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے ۔

اس طرح کہ حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت ایسی ہے جس کے ایمان ، زہد

اور ہر موقع پر جہاد سے تمام مسلمان آگاہ ہیں ۔ لہذا اگر آپؑ امامت کو اپنا مخصوص حق نہ سمجھتے تو سقیفہ میں ہونے والی بیعت کے خلاف کبھی بھی احتجاج کے لئے سامنے نہ آتے اور نہ ہی واضح طور پر اپنی خلافت کا مطالبہ کرتے بلکہ سقیفہ کی بیعت کے متعلق خبر سنتے ہی فوراً راضی ہو جاتے۔

البتہ جس طرح اس سلسلے میں حضرت علیؑ اور کچھ خاص صحابہ کا ایک موقف تھا اسی طرح دوسرے فریق کی بھی یہ رائے تھی کہ قرآن مجید اور آنحضرتؐ کی احادیث میں آنےوالے الفاظ سے حضرت علیؑ کے لئے ولایت اور امامت ثابت نہیں ہوتی بلکہ قرآن اور حج آخر کے موقع پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان میں آنے والا لفظ " ولایت " محبت ،نصرت اور مودت کے معنی دیتا ہے ۔اور اس کا مطلب حکومت اور نبیؐ کی جانشینی ہرگز نہیں ہے لہذا اس عقیدے کی بنیاد پر انھوں نے دوسرے شخص کو اختیار کرنا حق سمجھا۔

شہید باقر الصدر نے خلافت کے لئے حضرت علی علیہ السلام کو چھوڑ کر دوسروں کو اختیار کرنے والے اصحاب کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد ہی میں اصحاب کے درمیان دو مسلک وجود میں آ چکے تھے۔

۱۔ ایک مسلک کے مطابق زندگی کے ہر شعبے میں نص کی پابندی ضروری تھی نبی اکرمؐ کی وضاحت اور آپ کے بیان کے بعد کسی کو بھی نص کے مقابل اجتہاد کرکے رائے دینے کا حق نہیں تھا ، چاہے وہ اجتہاد ، عبادی امور میں ہو یا

پھر سیاسی اور جنگی امور میں۔

۲۔ دوسرے مسلک کے مطابق بعض مواقع پر نص کے مقابل اجتہاد کیا جا سکتا تھا۔

یہ دونوں طرز فکر اور مسلک اس وقت مجسم ہوکر سامنے آگئے جب یہ حضرت علی علیہ السلام کے معاملے میں نص نبویؐ کے روبرو آئے۔ ایک گروہ نے نص کے مقابل اجتہاد کیا اور دوسرے نے نص کی پابندی کی اور اس طرح سے امام علی علیہ السلام کے چاہنے والوں کے درمیان نص پر ایمان رکھنے والا گروہ وجود میں آیا۔

اس کے بعد شہید صدر اپنی اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: یہ دونوں مسلک کہ جن کے درمیان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے ہی سے نزاع کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا واضح طور پر اس وقت سامنے آئے جب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد حضرت علیؑ کی خلافت کا مسئلہ آیا، تعبدی مسلک کے قائل گروہ کو علیؑ کی شخصیت کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نص میں ایسا سبب مل گیا تھا جو علی علیہ السلام کو بغیر پس و پیش کے خلیفہ کے عنوان سے قبول کرنے کا پابند کرتا تھا، لیکن دوسرے مسلک کے فیصلے کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پیش کردہ نمونے کو چھوڑ کر کسی ایسے کو اختیار کرنا بھی ممکن تھا جو ان کی نگاہوں میں حالات کے لئے زیادہ مناسب تھا۔ اس طرح سے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و

آلہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد ہی شیعہ ان مسلمانوں کی شکل میں وجود میں آ گیۓ تھے جو امام علی علیہ السلام کی ولایت اور حکومت و قیادت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے بیان کردہ اس نمونۂ عمل کو دل سے قبول کرتے تھے جس کی پابندی کو آنحضرت نے اپنی وفات کے فوراً بعد فرض کیا تھا۔

شیعی طرز تفکر اسی لمحے مجسم ہوکر سامنے آگیا تھا جب اس نے سقیفہ کے اس موقف کا انکار کر دیا کہ امام علی ایک نمونے کے لحاظ سے قابل احترام ہیں لیکن حکومت کسی اور کے ہاتھوں میں بہتر ہے۔ (۱)

(شہید محمد باقر الصدر/ بحث حول الولایۃ : ص ۸۷۔ ۹۷

شیعی مکتب میں امامت کا مفہوم

علامہ حلی نے امامت کی تعریف یوں کی ہے:

"نبیؐ کی نیابت میں کسی ایک شخص کی دین و دنیا کے امور پر ریاست عامہ کو امامت کہتے ہیں۔" (۱)

لہذا امامت اسلامی تفکرات کا ایک بنیادی رکن اور اس کی بنیاد کا ایک اہم ستون ہے اسی وجہ سے اسلام نے اسلامی فکر کی ترجمانی، شریعت کی حفاظت اور تطبیق نیز دعوت الہی کے جاری سلسلے کے متعلق اس کی اہمیت کے پیش نظر امامت پر خاص توجہ دی ہے۔

مسئلہ امامت ہی وہ پہلا مسئلہ ہے جس کی بنا پر مسلمانوں کے درمیان

---

(۱) الباب الحادی عشر: ص ۶۹

اختلافات نے جنم لیا۔

امامت کے سلسلے میں مسلمانوں کے درمیان کئی جہات سے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ مثلاً انھیں اس امام کے تعین کی کیفیت میں اختلاف ہے جسے وفات کے وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ اسی طرح عظیم ذمہ داری سنبھالنے والے کو منتخب کرنے کے سلسلے میں بھی حددرجہ اختلافات موجود تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس وقت مسلمانوں نے مسند خلافت کو پر کرنے کے لئے تین راستوں کا انتخاب کیا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھا ہونے والے انصار نے پہلے سعد بن عبادہ کو چنا اور اس کے بعد ابو بکر کو مسند خلافت پر بٹھا دیا جبکہ بعض انصار و مہاجرین اور بنی ہاشم نے امام علی علیہ السلام کو خلیفہ منتخب کیا۔

یہ بات تو تاریخی اعتبار سے ثابت ہے کہ امامت ان مسائل میں سے ہے جن میں شیعی طرز تفکر کے خدو خال پوری طرح واضح ہوتے ہیں اور اس مسئلہ کے تحت یہ واضح ہو جاتا ہے کہ علیؑ اور ان کے اہل بیت کی پیروی کرنے والے شیعوں کی نظر میں علی علیہ السلام ہی فکری اور سیاسی قیادت کے سب سے زیادہ مستحق تھے اور ولایت و حکومت انھیں کا حق تھا وہی وہ فکری مرکز تھے جو مسلمانوں کے درمیان اختلافات کا قلع قمع کر سکتا تھا اور اہل بیت کے انہی پیروکاروں کو شیعہ کہا جاتا ہے۔

تشیع کی اصطلاح کا کب آغاز ہوا ؟

یہاں اس کا ذکر بھی مناسب رہے گا کہ شیعہ کی اصطلاح کب وجود میں آئی اور ایک فکری و سیاسی مکتب کی شکل میں کیونکر اس کی نشو و نما ہوئی نیز مختلف مکاتب ، مذاہب اور نظریات کے درمیان اس کے وجود کی کیفیت کیا ہے ؟

مختلف اسلامی علماء اور محققین کی تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سب سے پہلے لفظ شیعہ کا اطلاق رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کیا۔

ابن حجر (۱) شبلنجی (۲) اور جلال الدین سیوطی (۳) سب نے خداوند عالم کے قول : **ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات اولئک هم خیر البریة -** (۴) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ رسول خدا نے حضرت علی سے فرمایا : **هو انت و شیعتک...** (وہ تم اور تمہارے شیعہ ہیں ۔)

اسی طرح ابن اثیر نے (۵) بھی نقل کیا ہے کہ نبی اکرمؐ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا :

---

(۱) الصواعق المحرقة : ص ۱۶۱

(۲) نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی الاطہار : ص ۸۰

(۳) الدر المنثور : ج ۶ ص ۳۷۹

(۴) البنیہ : ۷

(۵) النھایہ فی غریب الحدیث والاثر : ج ۴ ص ۱۰۶

" ستقدم علی اللہ انت و شیعتک راضین مرضیین و یقدم علیه عدوک غضباناً مقمحین "
(تم اور تمہارے شیعہ خدا کے پاس اس حالت میں آئیں گے کہ وہ خدا سے راضی ہوں گے اور خدا ان سے ، جبکہ تمہارے دشمن اس طرح سے خدا کے پاس آئیں گے کہ خدا ان پر غضبناک ہوگا اور ان کو لگام لگی ہوگی ۔)

یوں بھی اہل بیت کی ولایت ، محبت اور ان پر صلوات بھیجنا ایک ایسا فریضہ ہے جسے قران نے واجب قرار دیا ہے " قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربی ۔ " (۱)
(کہہ دو کہ میں تم سے اپنی رسالت کا کوئی اجر نہیں چاہتا جز یہ کہ میرے اقربا سے مودت و محبت اختیار کرو ۔)

اسی طرح خدا وند عالم نے نبی پر صلوات بھیجنے کا حکم دیتے ہوئے اس صلوات کو بھی نماز میں واجب قرار دیا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی امت کو صلوات بھیجنے کا طریقہ سکھاتے ہوئے فرمایا ہے :

قولوا اللھم صل علی محمد و آل محمد کما صلیت علی ابراہیم و آل ابراہیم انک حمید مجید "
(کہو پالنے والے محمد اور ان کی آل پر صلوات بھیج جس طرح تو نے ابراہیم اور

---

(۱) شوری : ۲۳

ان کی آل پر صلوات بھیجی بلا شبہ تو حمید و مجید ہے ۔)

امام علیؑ کے اطراف اجتماع

نبیؐ ہادی کی وفات کا حادثہ یکایک وقوع پزیر ہوا ۔ آنحضرتؐ کی وفات ایسا حادثہ تھی جس نے پوری امت کو ہلا کر رکھ دیا لیکن اس وقت بھی انصار میں سے صحابہ کے ایک گروہ نے سقیفہ میں اکٹھے ہوکر ایسے خلیفہ کے انتخاب کے لئے جوڑ توڑ کرنی شروع کردی جو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد مسلمانوں کے امور سنبھال لے لہذا انھوں نے سعد بن عبادۃ کو اس منصب کے لئے منتخب کر لیا ۔ لیکن جیسے ہی یہ خبر ابو بکر ، عمر اور عبد الرحمن بن عوف اور ابو عبیدہ بن جراح کے کانوں تک پہنچی انھوں نے سعد کی بیعت سے انکار کرتے ہوئے انصار کے اس گروہ سے بری طرح بحث کرنی شروع کردی اور آخر کار انھوں نے ابو بکر کو خلیفۃ المسلمین کے عنوان سے منتخب کر لیا لیکن جب اس بیعت کی خبر حضرت علیؑ اور بعض صحابہ کو ہوئی تو انھوں نے ابو بکر کی بیعت کو ٹھکرا دیا اور اعلان کیا کہ حضرت علیؑ کے علاوہ کوئی بھی امامت اور خلافت کا حقدار نہیں ہے ۔

ان اصحاب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچا عباس ، آنحضرتؐ کی لخت جگر فاطمہؑ ، فضل بن عباس ، زبیر بن عوام ، خالد بن سعید ، مقداد بن اسود ، سلمان فارسی ، ابو ذر غفاری ، عمار یاسر ، براء بن عازب اور ابی بن

کعب شامل تھے ۔ (۱)

اور اس طرح سے شیعی گروہ وجود میں آیا ۔ بعض صحابہ علی علیہ السلام کے ساتھ ہو گئے یوں خلافت و امامت کے سلسلے میں صحابہ کے درمیان دو مسلک اور مکتب فکر وجود میں آگئے ۔

پاکیزہ اہل بیت

" انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیراً "

شیعی تفکرات میں امامت کے سلسلے میں بنیادی عقیدہ امام کا تمام بشری کمالات کا حامل اور خدا کی نافرمانی سے پاک و پاکیزہ ہونا ہے ۔ جسے قرآن مجید نے تطہیر کہا ہے اور جو بعد میں اصطلاحی طور پر عصمت کہی جانے لگی ۔

امامت اور ولایت کے مستحق امام کے عصمت یا تطہیر کے حامل ہونے کے سلسلے میں شیعوں کے عقیدے کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے جناب شیخ مفید نے کہاہے :

" امامیہ کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ دین کا امام معصوم ہوتا ہے ، تمام علوم دینی سے آگاہ ، فضیلت میں مکمل اور لوگوں کو ایسے اعمال سے آگاہ کرتا ہے جن سے

---

(۱) تاریخ الیعقوبی : ج ۲ ص ۱۲۴ ، ابن قتیبہ الدینوری / الامامۃ والسیاسۃ : ج ۱ ص ۹۱

وہ لازوال نعمت کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے معصوم کی تعریف یوں بیان کی ہے:

" **المعصوم هو الممتنع باللّٰہ من جمیع محارم اللّٰہ** " (۱)

(معصوم وہ ہے جسے اللہ کی جانب سے تمام محرمات الٰہی سے روکا گیا ہو۔)

اور اسی تعریف کی بنا اہل کلام نے عصمت کی تعریف یہ کی ہے:

عصمت اللہ کے فعل میں سے ایک لطف خفی ہے اس طرح سے کہ معصوم کے لئے اطاعت کے ترک اور معصیت کے ارتکاب کے لئے کوئی محرک نہیں ہوتا البتہ اس کے پاس ان امور کو انجام دینے کی قدرت موجود ہوتی ہے۔(۲)

اس سلسلے میں شیعوں کا نظریہ یہ ہے کہ طہارت یا عصمت اور احکام دین سے مکمل آگاہی ہی دو ایسی بنیادی کسوٹیاں ہیں جو کسی شخص کی امامت کو ثابت کرتی ہیں جیسا کہ شیخ مفید کی تعریف میں گزر چکا ہے البتہ شیعوں کا یہ نظریہ نبیؐ کے بیانات اور قرآنی آیات کی بنیاد پر ہے ہم یہاں پر ان میں سے بعض کا ذکر کر رہے ہیں۔

امام میں عصمت ضروری ہونے کے لئے جن چیزوں سے استدلال کیا جاتا ہے ان میں خداوند عالم اور جناب ابراہیم کے درمیان امامت کے سلسلے میں ہونے

---

(۱) علامہ مجلسی: بحار الانوار ج ۲۵ ص ۱۹۴

(۲) المقداد السیوری / شرح الباب الحادی عشر: ص ۳۸

والے مکالمہ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

" قال انی جاعلک للناس اماماً قال و من ذریتی قال لا ینال عهدی الظالمین " (۱)

قرآن مجید کی اس آیت سے یوں استدلال کیا جاتا ہے کہ امامت ایک ایسا الٰہی عہدہ ہے جو صرف اسی کو حاصل ہو سکتا ہے جو ظلم سے منزہ ہو یعنی با عصمت ہو اور جس کے اندر طہارت نفس و پاکیزگی کا وجود ہو جیسا کہ عصمت اور معصوم کی تعریف میں گزر چکا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ اس طرح کی عصمت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک شرعی احکام و معارف سے مکمل آگاہی نہ ہو۔

اسی بنیاد پر شیعی طرز تفکر آگے استدلال کرتا ہے کہ اہل بیت کی طہارت کی گواہی قرآن مجید نے آیت تطہیر میں دی ہے۔

اس سلسلے میں روایتیں اور احادیث تواتر کے ساتھ نقل ہوئی ہیں کہ جب آیت تطہیر نازل ہوئی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی، جناب فاطمہ، امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کو اکٹھا کیا اور فرمایا:

" اللهم هولاء اهل بیتی فاذهب عنهم الرجس و طهر هم تطهیراً " (۲)

---

(۱) بقرہ: ۱۲۴

(۲) حاکم / المستدرک علی الصحیحین: ج ۲ ص ۴۵۱ / ح ۳۵۵۸، ۱۰ البیہقی / السنن الکبری ج ۲ ص ۱۵۲

(پالنے والے یہی میرے اہل بیت ہیں پس تو ان سے رجس و نجاست دور رکھ اور انھیں اس طرح سے پاک و پاکیزہ رکھ جس طرح حق ہے ۔)

جس طرح قرآنی آیت اور آنحضرت کی احادیث سے اہل بیت کی عصمت پر استدلال کیا جاتا ہے اسی طرح حج آخر کے موقع پر آنحضرت کے اس بیان کو بھی بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا۔

" **انی قد ترکت فیکم الثقلین احدھما اکبر من الاخر کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی فانظروا کیف تخلفونی فیھما فانھما لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض۔** " (۱)

(میں تم لوگوں کے درمیان جو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جن میں سے ایک دوسرے سے افضل ہے ۔ خدا کی کتاب اور میری عترت، لہذا دھیان رکھنا کہ تم میرے بعد ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو بے شک یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں گے ۔)

نبی اکرمؐ کی یہ حدیث اس بات کی گواہ ہے کہ اہل بیت اور قرآن ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں اور علمی یا عملی طور سے یہ کبھی بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے ۔

---

(۱) النسائی / السنن الکبری ۔ کتاب المناقب : ج ۵ ص ۴۵ ح ۸۱۴۸

کتاب خدا سے مکمل تمسک اور اٹوٹ رشتے ہی کو عصمت کہا جاتا ہے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس مبارک قول میں واضح کردیا ہے۔

اہل بیت کے ائمہ کون ہیں ؟

جب شیعی مکتب فکر کی رو سے امامت اسلامی تفکر کے ڈھانچے کا ایک بنیادی رکن ہے اور وفات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مسلمانوں کے رہبر و خلیفہ کے تعین کا دائرہ اہل بیت کرام میں محدود ہو گیا تھا تو کیوں نہ ہم یہ جاننے کی کوشش کریں کہ وہ ائمہ کون ہیں جن کی فکری اور سیاسی امامت کو اس مکتب نے قبول کیا ہے اور کتاب خدا اور سنت رسول کو سمجھنے اور احکام دین کے حصول کے لئے انہی کو مرجع و مرکز قرار دیا ہے۔

بلاشبہ ان نظریات سے مطابق اشیاء ، حقیقت کے متلاشی افراد کے سامنے اس مکتب کے استحکام کے لئے اور اسلام کی بنیادوں اور اس کی مرکزی اشیاء کو سمجھنے کے لئے مختلف دلائل واضح کر دیتی ہیں۔

چونکہ اہل بیت کے پیروکاروں نے کتاب اور سنت سے ایسے حقیقی دلائل پیش کر دیے ہیں جن سے ائمہ اہل بیت کے تقوے ، جہاد ، علم ، مسلمانوں کے لئے ان کی امامت اور فکری و سیاسی مرکزیت کی نشاندہی ہوتی ہے لہذا یہاں پر ہم ائمہ اہل بیت کا ایک مختصر تعارف پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ امام علی ابن ابی طالب

آپ بعثت نبیؐ سے دس سال قبل مکے میں پیدا ہوئے اور ۲۱ رمضان ۴۰ ھ عبد الرحمن بن ملجم خارجی کی اس ضربت سے شہید ہوئے جو اس نے ۱۹ رمضان کو نماز صبح کے دوران حالت سجدہ میں آپ کو لگائی تھی۔

وہ علیؑ جو اسلام کی نشانی، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی اور ان کے علمبردار تھے آپ ہی نے سب سے پہلے آنحضرت کی الٰہی دعوت پر لبیک کہا، لہذا وحی نے بھی انھیں فراموش نہیں کیا بلکہ قرآن نے متعدد مقامات پر آپؑ کے فضائل بیان کئے ہیں۔ علماء تفسیر نے ایسی دسیوں آیات کا ذکر کیا ہے جو حضرت علیؑ کی فضیلت میں نازل ہوئی ہیں اور جو آپ کے جہاد، تقوی، ولایت اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے سلسلے میں آپ کی ثنا خواں ہیں۔ ان آیتوں میں آیت ولایت، آیت مباہلہ، آیت مودت اور سورۂ دہر وغیرہ کو شمار کیا جاتا ہے۔

اسی طرح راویوں اور محدثوں نے بھی ایسی بہت سی روایتیں اور حدیثیں نقل کی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کے مختلف فضائل سے امت کو آگاہ کیا ہے جن میں سے بعض روایتوں کا ذکر ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔

۲۔ امام حسن بن علی ابن ابی طالبؑ

آپ کی والدہ جناب فاطمہ زہرا بنت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔
آپ ۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۰ ہجری میں زہر سے شہید کر دیئے گئے۔

۳۔ امام حسین بن علی بن ابی طالبؑ

آپ کی والدہ جناب فاطمہ زہرا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تھیں۔
تین شعبان سن چار ہجری میں آپ پیدا ہوئے اور دس محرم ۶۱ ہجری میں کربلا میں یزید بن معاویہ کے فوجیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔
امام حسن اور امام حسین علیہما السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نواسے اور ان عظیم المرتبت اہل بیت کے افراد میں سے ہیں جن کی محبت اور ولایت اور جن پر صلوات بھیجنا اللہ تعالی نے واجب قرار دیا ہے۔
اس کے علاوہ بھی مختلف راوی سیکڑوں روایات اور احادیث نقل کرتے ہیں جو سب کی سب اہل بیت کی فضیلت میں نبی کے اقوال پر مشتمل ہیں مثلاً
رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

" مثل اهل بیتی کسفینة نوح من رکبها نجا و من ترکها غرق

(میرے اہل بیت کی مثال نوح کی کشتی کی مانند ہے جواس پر سوار ہوا وہ نجات پاگیا اور جس نے اسے چھوڑ دیا وہ ڈوب گیا۔) (۱)

اسی طرح ابن عباس سے روایت ہے کہ جب آیہ مودت نازل ہوئی تو لوگوں نے پوچھا۔ اے رسول خدا! آپ کے وہ قرابت دار کون ہیں جن کی مودت ہمارے اوپر واجب قرار دی گئی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: **علی و فاطمه و ولداهما** " علی فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے۔ (۲)

عبد اللہ بن عمر نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے امام حسن اور امام حسین کے لئے فرمایا:

"**هما ريحانتاى من الدنيا**" (۳)

(وہ دونوں دنیا میں میری خوشبو ہیں۔)

۴۔ علی ابن الحسینؑ

آپ کے والد امام حسین بن علی تھے آپ حددرجہ عبادت اور سجدوں کی وجہ سے زین العابدین اور سجاد کے لقب سے مشہور ہیں

آپ کی ولادت ۳۸ ہجری میں اور وفات ۹۰ ہجری کو ہوئی۔

---

(۱) سیوطی / الجامع الصغیر: ج ۲ ص ۵۳۳، الطبری / ذخائر العقبی: ص ۲۰، البیهقی / مجمع الزوائد: ج ۹

(۲) سیوطی / الدر المنثور: ج ۶ ص ۷، ابن المغازلی / مناقب علی ابن ابی طالب: ص ۳۰۷، الکشاف ...

(۳) صحیح البخاری: ج ۴ ص ۲۱۷ ــ ط، دار الفکر

ابن حجر نے اپنی کتاب صواعق محرقہ میں آپ کی توصیف اس طرح کی ہے:

" زین العابدین زہد علم اور عبادت میں اپنے والد کے جانشین تھے (۱)

اسی طرح امام مالک نے آپ کی توصیف کرتے ہوئے کہا:

اہل بیت میں علی ابن الحسین (امام زین العابدین) کی طرح کوئی نہ تھا۔ (۲)

امام شافعی نے آپ کی توصیف یوں کی ہے۔

" بلا شبہ علی بن الحسین مدینہ کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔ " (۳)

۵۔ محمد باقرؑ

آپ کے والد امام علی بن الحسین زین العابدین تھے۔ آپ کی ولادت ۵۷ ہجری اور شہادت ۱۱۴ ہجری میں ہوئی۔

یہ وہی عظیم امام ہیں جنھیں جابر بن عبد اللہؓ انصاری نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا سلام پہنچایا تھا۔

امام محمد باقر علیہ السلام تمام علماء کے استاد اور اپنے زمانے میں تمام فقہا اور مسلمانوں کے مرجع تھے یہی وجہ ہے کہ ابن عماد حنبلی نے آپ کی یوں تعریف کی ہے:

---

(۱) ابن حجر الھیثمی / الصواعق المحرقہ: ص ۲۰۰

(۲) ابن حجر / تہذیب التہذیب: ج ۷ ص ۲۶۹

(۳) رسائل الجاحظ السیاسیہ: ص ۴۵، ابن ابی الحدید / شرح نہج البلاغہ: ج ۱۵ ص ۲۷۴

" ابو جعفر محمد باقر اہل مدینہ کے فقہا میں سے تھے انھیں باقرؑ اس لئے کہا جاتا تھا کیونکہ آپ نے علم کو چاک کرکے اس کے اسرار کو سمجھ لیا تھا۔" (۱)

ابن سعد نے امام باقر علیہ السلام کی یوں تعریف کی ہے:

" آپ ثقہ اور زبردست عالم اور صاحب حدیث تھے۔ (۲)"

۲۔ جعفر صادقؑ

آپ کے والد محمد بن علی باقر تھے آپ ۸۳ ہجری میں متولد ہوئے اور ۱۴۸ ہجری میں آپ کی شہادت ہوئی۔

امام صادق علیہ السلام بھی اپنے والد بزرگوار امام محمد باقرؑ کی مانند تمام علماء کے استاد تھے آپ سے بہت سے مکاتب اور مسالک کے ائمہ اور اہل حدیث و تفسیر نے درس حاصل کیا ہے۔

مختلف مسلکوں کے اماموں اور بہت سے صاحبان حدیث و رجال نے آپ کی توصیف کرتے ہوئے کہا ہے کہ امام جعفر صادق سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ امام مالک اور ابو حنیفہ وغیرہ نے آپ ہی سے تعلیم حاصل کی اور ان کے علاوہ بھی بہت سے دوسرے صاحبان حدیث و تفسیر نے آپ سے کسب فیض کیا۔

---

(۱) شذرات الذهب، ج ۱ ص ۱۴۹

(۲) الطبقات الکبری، ج ۵ ص ۳۲۴

ابن حبان نے اپنی کتاب " الثقات " میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے حدیث نقل کرتے ہوئے لکھا ہے : " وہ فقہ و علم اور فضیلت کے اعتبار سے اہل بیت میں سب سے افضل تھے ۔ (۱)

اس روایت کو ابن حبان کے حوالے سے ثوری ، مالک ، شعبہ اور دیگر بہت سے لوگوں نے نقل کیا ہے ۔

نسائیؒ نے اپنی کتاب " الجرح والتعدیل " میں آپ کی توصیف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ ثقہ تھے جبکہ مالک نے لکھا ہے کہ میں زمانے تک آپ کے پاس آتا جاتا رہا اس پوری مدت میں ، میں نے انھیں تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں دیکھتا تھا یا تو وہ نماز پڑھ رہے ہوتے یا روزے سے ہوتے یا قرآن کی تلاوت میں مشغول ہوتے اور میں نے کبھی بھی انھیں طہارت کے بغیر حدیث بیان کرتے نہیں دیکھا ۔ (۲)

۷ ۔ موسیٰ کاظمؑ

آپ کے والد امام جعفر بن محمد صادق ہیں آپ سن ۱۲۸ ھجری میں متولد ہوئے اور سن ۱۸۳ ہجری میں ہارون الرشید کے زندان میں شہید ہوگئےؑ ۔

---

(۱) الثقات : ج ۶ ص ۱۳۱ باب الجیم

(۲) ابن حجر / تہذیب التہذیب : ج ۲ ص ۸۹ ۔ باب الجیم

حافظ رازی نے اپنی رجال دائرۃ المعارف میں ان کی توصیف کرتے ہوئے لکھا ہے۔

" موسی بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب انھوں نے والد سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بیٹے علی بن موسی اور ان کے بھائی علی بن جعفر وغیرہ نے روایت کی ہے۔ میں نے ابو عبد الرحمن کو یہ کہتے سنا ہے کہ انھوں نے کہا میں نے اپنے والد سے ان کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے کہا: وہ ثقہ، نہایت سچے اور مسلمانوں کے امام ہیں۔ (۱)

۸۔ علی رضاؑ

آپ کے والد موسی بن جعفر کاظم تھے آپ کی ولادت ۱۴۸ھ ہجری میں ہوئی اور ۲۰۳ھ میں آپ زہر سے شہید کر دیئے گئے۔

آپ اپنے زمانے میں اہل بیت کی مرکزی شخصیت اور لوگوں کی نگاہوں کا مرکز تھے۔ اسی وجہ سے عباسی خلیفہ اپنے بعد انھیں خلافت کے لئے ولی عہد قرار دینے اور ان سے اپنی بیٹی کی شادی کرنے پر مجبور ہو گیا۔ آپ علم و تقوی میں اپنے آباء و اجداد کی طرح تھے۔

مورخ مشہور واقدی نے ان کی توصیف کرتے ہوئے لکھا ہے:

---

(۱) الجرح والتعدیل: ج ۴۔ باب الجیم

" وہ ثقہ تھے مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں اس وقت فتوے دیتے تھے جب ان کی عمر بیس سال سے کچھ زیادہ تھی۔ (۱)

آپ کے والد موسی کاظم علیہ السلام نے اپنے دوسرے بیٹوں کے سامنے آپ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

" هذا اخوكم علي بن موسى عالم آل محمد فسلوه عن اديانكم و احفظوا ما يقول لكم۔ " (۲)

(یہ تمہارا بھائی موسی بن جعفر عالم آل محمد ہے لہذا تم اس سے اپنے دین کے بارے میں سوال کرو اور یہ جو تمھیں بتائے اسے لکھ یاد کر لو۔)

۹۔ محمد تقی جوادؑ

آپ کے والد امام علی بن موسی رضا تھے اور آپ کی ولادت ۱۹۵ ہجری میں اور وفات ۲۲۰ ہجری میں ہوئی۔

ابن جوزی امام محمد تقی علیہ السلام کی توصیف کرتے ہوئے کہتا ہے آپ (امام تقی علیہ السلام) محمد بن علی بن موسی الرضا بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی ابن ابی طالب ہیں۔

---

(۱) ابن الجوزی / تذکرۃ الخواص: ص ۱۹۸

(۲) الطبرسی / اعلان الوری باعلام الھدی: ص ۳۲۸ ط ۳

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے البتہ ابو جعفر بھی کہا گیا ہے آپ بھی اپنے آباو اجداد کی طرح علم، شجاعت، تقوے ، زہد اور جود میں یکتائے روزگار تھے ۔ (۱)

۱۰ ۔ علی نقی ہادیؑ

آپ کے والد کا نام محمد بن علی الجواد (امام محمد تقی) تھا آپ کی ولادت سن ۲۱۴ ہجری اور شہادت ۲۵۴ ہجری میں ہوئی ۔

ذہبی نے آپ کی تعریف یوں کی ہے :

ابو الحسن علی بن محمد بن علی بن موسی بن جعفر بن محمد بن زین العابدین با فضیلت سید اور فقیہ تھے امامیہ (شیعہ) انھیں ہادی کے لقب سے بھی یاد کرتے ہیں ۔ (۲)

مشہور رجالی ابو فلاح حنبلی نے آپ کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے :

" وہ فقیہ ، امام اور نہایت عبادت گزار تھے ۔ (۳)

---

(۱) تذکرۃ الخواص : ص ۲۰۲

(۲) تاریخ الاسلام : ص ۲۱۸ ۔ حوادث ووفیات سنۃ ۲۵۱ ۔ ۲۶۰ ھ

(۳) ابن العماد الحنبلی / شذرات الذھب : ج ۲ ص ۱۲۸ ۔ ۱۲۹ ج ۱

۱۱۔ حسن عسکریؑ

آپ کے والد امام علی بن محمد الہادی تھے ۔ آپ کی ولادت ۲۳۲ھ ہجری میں اور شہادت ۲۶۰ھ میں واقع ہوئی ۔

سبط جوزی حنفی نے آپ کی توصیف میں کہا ہے : " وہ عالم اور ثقہ تھے انھوں نے اپنے والد اور جد بزرگوار سے روایتیں کی ہیں ۔ " (۱)

۱۲ ۔ محمد مہدیؑ

آپ کے والد کا نام امام حسن عسکری ہے آپ کی ولادت ۲۵۵ھ ہجری میں ہوئی ۔

امام مہدی کے بارے میں بے شمار روایتیں وارد ہوئی ہیں اور ان روایتوں کو علی ابن ابی طالب ، عثمان بن عفان ، عمار یاسر ، ابو ہریرہ ، عبد اللہ ابن عباس ، عبد اللہ بن مسعود، ام سلمہ اور حذیفۃ بن یمان سمیت اصحاب رسولؐ کی ایک بڑی تعداد نے آنحضرت سے نقل کیا ہے ۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی انھیں روایتوں میں ایک روایت یہ بھی ہے :

---

(۱) تذکرۃ الخواص : ص ۳۶۳

" المهدی منا اهل البیت ... " (۱)

(مہدی ہم اہل بیت میں سے ہے ...)

اسی طرح ایک دوسری روایت بھی آنحضرت سے مروی ہے :

" المهدی من عترتی من ولد فاطمه ۔" (۲)

(مہدی میری عترت اور فاطمہ کی اولاد میں سے ہے ۔)

اور اس طرح قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ، مختلف مسلکوں اور مذہبوں سے تعلق رکھنے والے علماء اور مورخوں نے اہل بیت کے بارہ اماموں کی تعریف کی ہے ۔اور جیسا کہ ہم نے دیکھا وہ سب کے سب اپنے اپنے والد سے علم حاصل کرتے تھے جس کا سلسلہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم سے جا ملتا ہے ، وہ اس نبوت اور اسلامی راستے کے پابند تھے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے شروع کیا تھا ۔

---

(۱) مسند احمد : ج ۱ ص ۸۴ ، سنن ماجہ : ج ۲ ص ۱۳۶۷ / ح ۴۰۸۵

(۲) سنن ابی داود : ج ۲ ص ۲۰۸ ، المستدرک الحاکم : ج ۴ ص ۵۵۷

بنیادی ستون

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ مذہب ہی اسلام کو سمجھنے کا واحد راستہ اور اس کے اسرار سے پردہ اٹھانے کا تنہا ذریعہ تو کیوں نہ ہم مکتب اہل بیت کے لحاظ سے اسلام کے کچھ بنیادی اصولوں سے آشنا ہوں۔

۱۔ توحید

" اول الدین معرفته و کمال معرفته التصدیق به و کمال التصدیق به توحیدہ و کمال توحیدہ الاخلاص له ۔" (۱)

(دین کی ابتدا اس کی معرفت اور معرفت کا کمال اس کی تصدیق اور تصدیق کا کمال اس کی توحید اور توحید کا کمال اس کے لئے اخلاص ہے ۔)

توحید خدا وندی اور اسے مخلوقات کی تمام صفات سے منزہ قرار دینا اور اس کی

---

(۱) امام علیؑ / نہج البلاغہ : پہلا خطبہ

ذات کے لئے کمال مطلق اور اسمائے حسنی کا قائل ہونا ہی وہ بنیادی اصول ہے جس پر اسلامی عقائد کے تمام ستون استوار ہیں ۔ تمام نبیوں نے بھی یہی سمجھایا ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ قران مجید نے توحید ، خدا کے صفات کے بیان اور اس کے اسماء کے ذکر کو خاص اہمیت دی ہے۔ اس طرح خدا وند عالم نے اپنے نبی پر وحی نازل کرکے تمام مخلوقات کو اپنے آپ سے آشنا کرایا اور پھر عقل نے بھی اس کی عظمت و وحدانیت کا ادراک کیا ۔

لیکن جب قرآنی آیات کے سلسلے میں مختلف مفسروں نے الگ الگ رائے پیش کی اور کلامیوں کے درمیان مختلف مکتب وجود میں آگئے نیز قران مجید کے ادراک کے سلسلہ میں بے شمار مسالک پیدا ہونے لگےاور خود مسلمانوں کے درمیان مجسمہ ، مشبہہ، غالی اور جبر و تفویض کے قائل بہت سے فرقے جنم لینے لگے تو ایسے حالات میں اہل بیت نے لوگوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور ہدایت و تبلیغ اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کے لئے میدان میں آگئے ۔ انھوں نے لوگوں کو قران کے بتائے ہوئے عقیدہ پر قائم رہنے کی تلقین کی ۔ توحید کے سلسلے میں ان کا وہی نظریہ تھا جسے قران مجید نے بیان کیا ہے ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی نے آپ کے پاس خط بھیجا جس میں انھوں نے لکھا تھا :

" عراق کے کچھ لوگ شکل و صورت سے اللہ کی توصیف کرتے ہیں لہذا اگر

آپ مناسب سمجھیں تو مجھے توحید کے بارے میں صحیح مکتب کی تفصیلات لکھ کر بھیج دیں۔

امام نے اپنے اس صحابی کے پاس لکھا:

" سالت رحمک اللہ عن التوحید وما ذھب الیه من قبلک فتعالی اللہ الذی لیس کمثله شیء وھو السمیع البصیر، تعالی عما یصفه الواصفون والمشبھون اللہ بخلقه المفترون علی اللہ فاعلم رحمک اللہ: ان المذھب الصحیح فی التوحید ما نزل به القرآن من صفات اللہ عز و جل فانف عن اللہ تعالی البطلان والتشبیه فلا نفی ولا تشبیه ھو اللہ الثابت تعالی اللہ عما یصفه الواصفون ولا تعدوا القرآن فتضلوا بعد البیان۔ "(۱)

" تم نے توحید کے بارے میں سوال کیا خدا تم پر اپنی رحمت نازل کرے تم سے پہلے یہ بات کسی کے ذہن میں نہیں آئی تھی خدا تو ان تمام اشیاء سے بہت بزرگ و برتر ہے۔ توصیف کرنے والوں سے وہ بہت بلند ہے وہ سمیع و بصیر ہے وہ توصیف کرنے والوں کی باتوں اور خلق سے تشبیہ دینے والوں کے نظریات اور اس پر الزام دھرنے والوں سے بہت بلند ہے لہذا تم یہ جان لو کہ اللہ پر نازل رحمت نازل کرے کہ توحید کے سلسلہ میں صحیح نظریہ وہی ہے جو

(۱) کلینی / الاصول من الکافی: ج ۱۔ باب التوحید

قران میں اللہ کے صفات کے متعلق آیا ہے لہذا اللہ کی ذات سے بطلان اور تشبیہ کو نفی کرو ۔ نہ اس کے لئے نفی ہے نہ ہی تشبیہ وہ اللہ ثابت و مستحکم ہے توصیف کرنے والوں کی باتوں سے بہت بلند ، اور قرآن سے آگے نہ بڑھنا کہ بیان و روشنی کے بعد گمراہ ہو جاؤ گے ۔)

اور اسی ادراک کی بنیاد پر مکتب تشیع کی فکری و عقیدتی عمارت تعمیر ہوئی ۔

ائمہ اہل بیت نے تجسیم ، تشبیہ ، حلول ، اتحاد ، غلو اور تفویض کے قائلوں اور ان عقائد سے مقابلہ کیا اور ان سے برائت اختیار کی اوران پر لعنت کی ۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ فقہا نے ان تمام لوگوں کو کافر و نجس قرار دیا ہے ۔ چوتھی صدی کے ایک مشہور شیعہ عالم شیخ مفید نے غالیوں کے متعلق شیعی عقیدے کی وضاحت یوں کی ہے : غالی وہ لوگ ہیں جو اسلام کا دکھاوا کا اسلام رکھتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے امام علیؑ اور ان کی ذریت کی طرف الوہیت و نبوت منسوب کی ۔ دین و دنیا کے معاملات میں ان کی اتنی زیادہ تعریف و توصیف کی کہ وہ حد سے تجاوز کر گئیں انھوں نے میانہ روی کا راستہ چھوڑ دیا لہذا یہ گمراہ و کافر ہیں ۔ ان کے لئے حضرت علی علیہ السلام نے قتل اور آگ میں جلا دینے کا حکم دیا ہے (۱) اور ان کے علاوہ دوسرے تمام ائمہ اہل بیت نے بھی انہیں کافر اور زندیق کہا ہے ۔ (۲)

---

(۱) اس سے مراد عبد اللہ بن سبا اور اس کے پیروکار مراد ہیں ۔

(۲) شیخ مفید / شرح عقائد الصدوق ۔ ص ۲۳۹

توحید کو سمجھنے کے لئے شیعی مکتب فکر کی بنیاد قرآن تھی جس کے مطابق خدا ذاتی صفاتی اور افعالی ہر لحاظ سے یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے ۔ لیکن اس عقیدے نے شیعی مکتب فکر کو قرآنی مسلک کو صحیح طور سے نہ سمجھنے والے بہت سے منحرف فلسفیوں اور مختلف فرقوں اور نظریات سے تعلق رکھنے والے افراد کے ساتھ فکری مجادلہ و بحث میں مشغول رکھا۔

۲۔ عدل الٰہی

امامیہ فرقے نے توحید خدا ، نیز اس کے ظلم سے منزہ ہونے کی بنیاد پر بندوں پر فرائض عائد کرنے اور انھیں جزا دینے کے سلسلے میں اس کے لئے عدل کو ضروری جانا ہے ۔ امامیہ کا عقیدہ ہے کہ خدا وند عالم بندوں پر کوئی ایسی چیز واجب نہیں کرتا جو ان کی توانائی اور پہنچ سے باہر ہو ، اسی طرح انھوں نے جبر و تفویض کے نظریے کو بھی ناقابل قبول قرار دیا ہے ۔ ان کا عقیدہ ہے کہ انسان اپنے اعمال میں خودمختار ہے اور اطاعت یا معصیت کے سلسلے میں اسے مکمل اختیار ہوتا ہے لہذا انسان اپنے کاموں میں مجبور نہیں بلکہ مختار ہے اسی وجہ سے وہ اپنے تمام اعمال کا جوابدہ ہے اور ان پر سزا یا جزا کا مستحق ہے ۔ امامیہ مسلک کے اس عقیدے کی بنیاد خدا وند عالم کا یہ قول ہے۔

" و هديناه النجدين "

(اور ہم نے اسے دونوں راستے دکھائے)

" انا ھدیناہ السبیل اما شاکرا و اما شاکراً و اما کفوراً "
(اور ہم نے اسے راستہ دکھا دیا ہے اب چاہے وہ شکر گزار ہو جائے یا کفر اختیار کر لے۔)(۱)

امامیہ مسلک کے اس عقیدے کی مزید وضاحت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ایک صحابی کے جواب میں فرمادی۔ اس صحابی نے آپؑ سے سوال کیا تھا: خدا نے اختیار بندوں کے حوالے کر دیا ہے ؟ تو آپ نے فرمایا:

" اللّٰہ اکرم من ان یفوض الیھم "
(خدا اس بات سے بہت بڑا ہے کہ وہ اختیار بندوں کے حوالے کر دے۔)

اس صحابی نے مزید پوچھا: تو کیا اس نے گناہوں کے لئے انھیں مجبور کیا ہے ؟ تو آپ نے فرمایا:

" اللّٰہ اعدل من ان یجبر عبداً علی فعل ثم یعذبہ علیہ۔ "(۲)
(اللہ اس بات اس سے کہیں زیادہ عادل ہے کہ کسی بندے کو کوئی کام کرنے پر مجبور کرے اور اسی کام پر اسے سزا دے۔)

۳۔ نبوت:

توحید کی بنا پر نبوت اور انبیاء پر ایمان بھی وجود میں آیا۔

---

(۱)۱۔ البلد: ۱۰۔ / ۲۔ الانسان: ۳

(۲) شیخ صدوق / التوحید: ص ۳۶۱

نبی اس انسان کو کہتے ہیں جو کسی انسانی واسطے کے بغیر اللہ کی طرف سے لوگوں کو خبر دیتا ہے ، وہ رسالت ، معارف اور تعلیمات الہیہ کو فرشتے کے ذریعے وحی کے راستے سے حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح وہ وحی ، فرشتے کے علاوہ بھی کبھی الہام یا خواب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔

انبیا مخلوقات میں خدا کے برگزیدہ بندے ہیں جنھیں اس نے لطف و کرم کی بنا پر منتخب کیا ہے کیونکہ اسے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ وہ برگزیدہ بندے رسالت کی ذمہ داری نبھانے کی اہلیت رکھتے ہیں انھیں اللہ تعالی نے اپنی معصیت سے دور رکھا ہے تاکہ وہ عالم بشریت کے رہبر اور رہنما ہوں جو اپنے قول اور فعل کے ذریعے شریعت کو بیان کرتے ہیں۔

قرآن مجید نے انبیاء کی بعثت کی تاریخ کچھ یوں بیان کی ہے :

"کان الناس امۃ واحدۃ فبعث اللّٰہ النبیین مبشرین و منذرین و انزل معھم الکتاب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ۔۔ "

(سب لوگ ایک ہی امت تھے کہ اللہ نے انبیاء کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ حق کی کتاب نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان چیزوں کے متعلق فیصلہ کریں جن میں وہ ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہوں۔)(۱)

اسلام میں امامت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے کیونکہ امامت ، نبوت کی جانشین

---

(۱) بقرہ : ۲۱۳

نیز اسلام اور امت کی قیادت کے لئے نبی کی ذمہ داری کا سلسلہ ہوتی ہے ۔ اس کی وضاحت کتاب کے ایک اور باب میں ہم کر چکے ہیں لہذا اس کے دہرانے کا یہاں کوئی فائدہ نہیں ہے ۔

۴۔ عالم آخرت

" لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن باللّٰہ والیوم الآخر و الملائکۃ والکتاب والنبیین .."

(نیکی یہ نہیں ہے کہ تم مشرق و مغرب کے طرف اپنے چہرے گھماؤ بلکہ نیکی اس کے لئے ہے جو اللّٰہ ، روز آخر ، ملائکہ ، کتاب اور نبیوں پر ایمان لے آئے ۔) (۱)

" ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتاً بل احیاء عند ربھم یرزقون " (۲)

(جو لوگ راہ خدا میں قتل کر دیئے گئے ہیں انھیں تم مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار سے رزق حاصل کر رہے ہیں ۔)

قیامت پر ایمان، دوبارہ زندہ کرنے ، موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے

---

(۱) بقرہ : ۱۷۷

(۲) آل عمران : ۱۶۹

حساب اور جزا پر ایمان رکھنے کا نام ہے جو ایک اہم اسلامی عقیدہ اور تمام نبیوں کی رسالت میں بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔

تمام مسلمانوں نے جسمانی معاد پر اتفاق کیا ہے ، صرف کچھ گنے چنے فلسفی روحانی معاد کے قائل ہیں اسی طرح تمام مسلمانوں نے عالم برزخ پر ایمان کے معاملے میں بھی اجماع کیا ہے۔

عالم برزخ اس وقفے کو کہتے ہیں جو موت اور قیامت نیز قبر کے سوالات اور اس کے عذاب و ثواب کے درمیان ہے۔

اس عقیدتی اصول کی شیعہ علماء نے مندرجہ ذیل انداز میں وضاحت کی ہے :

عالم آخرت میں ثواب و عقاب اور قیامت پر ایمان کے سلسلے میں گفتگو کرتے ہوئے علامہ حلیؒ نے کہا ہے : یہ بہت بڑا اصولی عقیدہ ہے اور اس کا اثبات دین کے ارکان میں سے ہے جو اس کا انکار کرے وہ اجماعاً کافر ہے اور جو معاد جسمانی ، ثواب ، عقاب اور آخرت کے امور کا قائل نہیں وہ اجماعاً کافر ہے ۔ (۱)

عالم برزخ کی زندگی کے متعلق علامہ مجلسیؒ نے شیعہ مسلک کے عقائد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے : برزخ پر ایمان ان عقائد میں سے ہے جس پر پوری امت مسلمہ کے تمام علماء نے اتفاق کیا ہے ، یہی نہیں بلکہ اکثر دوسری قومیں بھی اس کی قائل ہیں ۔ اسلامی امہ میں سے چند معدود لوگوں کے علاوہ کسی نے

---

(۱) نہج الحق و کشف الصدق : ص ۳۷۶

بھی اس کا انکار نہیں کیا ہے اور جنھوں نے انکار کیا بھی ہے ان کی تعداد اتنی کم ہے کہ اس بات کو معیار بنایا ہی نہیں جا سکتا کیونکہ اس طرح کے افراد کے خلاف ہمیشہ ہی اسلامی امہ کا اجماع رہا ہے اور ان سب کے علاوہ شیعہ اور سنی حوالوں سے اس سلسلے میں وارد ہونے والی احادیث مضمون کے اعتبار سے متواتر ہیں۔ (۱)

۵۔ شفاعت

چونکہ ہم ابھی آخرت کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں لہٰذا عالم آخرت، حساب کتاب اور جزا سے تعلق رکھنے والے موضوع شفاعت کے متعلق بھی تھوڑی گفتگو کر لینا نامناسب نہیں ہو گا۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ جس طرح تمام مسلمانوں کا ثواب، عذاب جسمانی، قیامت اور عالم برزخ پر ایمان ہے اسی طرح وہ شفاعت پر بھی ایمان رکھتے ہیں اس کے علاوہ خود قرآن مجید نے بھی مختلف مقامات پر اس بات کی تائید کی ہے اور آنحضرت سے بھی اس سلسلے میں متواتر احادیث اور روایتیں نقل ہوئی ہیں۔ ان تمام وجوہات کی بنا پر مسلمانوں کا ایمان ہے کہ نبی اکرمؐ ان کے اہل بیتؑ، صالحین، شہدا اور اللہ کے نیک بندوں کو گنہ گاروں کی شفاعت کا حق حاصل ہے۔

---

(۱) مجلسی، بحار الانوار، ج ۷ ص ۲۲۰۔

بشفاعته و ان الرجل لیشفع للرجل و اهل بیته فیدخلون الجنة بشفاعته "(۱)

(میری امت کا ایک آدمی لوگوں کے کئی گروہوں کی شفاعت کرے گا اور وہ سب کے سب جنت میں داخل ہوجائیں گے اسی طرح میری امت کا دوسرا ایک شخص لوگوں کے ایک گروہ کی شفاعت کرے گا اور وہ سب کے سب جنت میں چلے جائیں گے اسی طرح میری امت کا ایک شخص ایک آدمی اور اپنے گھر والوں کی شفاعت کرے گا اور وہ لوگ اس کی شفاعت کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

"من انکر ثلاثة اشیاء فلیس من شیعتنا: المعراج والمسائلة فی القبر والشفاعة "(۲)

(جس نے تین چیزوں کا انکار کیا وہ ہمارا شیعہ نہیں ہے: معراج، قبر میں سوال جواب اور شفاعت۔)

یہاں پر یہ بھی یاد دلا دینا مناسب ہے کہ شفاعت پر ایمان رکھنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آدمی عمل اور الٰہی احکامات بجا لانے میں کوتاہی سے کام لے کیونکہ جزا و سزا کے معاملے میں تو بنیادی ضابطہ خدا کا یہ قول ہے۔

---

(۱) مسند احمد: ج ۳ ص ۶۳

(۲) مجلسی: بحار الانوار: ج ۸ ص ۳۸

" و ان لیس للانسان الا ما سعی (۱) "

(اور انسان کے لئے صرف وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی ہو۔)

اسی طرح دوسری جگہ خداوند عالم فرماتا ہے:

" فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ "

جس نے رائی کے دانے برابر خیر انجام دیا ہوگا تو اسے بھی دیکھے گا اور جس نے رائی کے دانے برابر برائی بھی انجام دی ہوگی تو اسے بھی دیکھے گا۔) (۲)

یہ اور بات ہے کہ اللہ اپنے خاص لطف و کرم کی وجہ سے نافرمانی کا بوجھ شفاعت کے ذریعے اپنے بندوں کے شانوں سے اٹھا لے کیونکہ کچھ بھی سہی انھیں اللہ پر ایمان تھا اور انہوں نے ایسے اعمال انجام دیئے تھے جن کی بنا پر وہ شفاعت کے مستحق قرار پا سکتے ہیں اور جن کی وجہ سے ان کی نافرمانیوں کو معاف کیا جا سکتا ہے۔

---

(۱) نجم: ۳۹

(۲) زلزلہ: ۷۔۸

مکتب اہل بیت میں تشریع اور احکام

"ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر فاتبعها ولا تتبع اهواء الذین لا یعلمون" (۱)

(اور پھر ہم نے تمھیں امر سے ایک شریعت پر قرار دیا لہذا تم اس کا اتباع کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو نہیں جانتے۔)

اسلامی شریعت، ایسے الٰہی احکام اور قوانین کے مجموعے کا نام ہے جسے حیات انسانی کو سنوارنے اور زندگی کے تمام پہلوں میں نافذ کرنے کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پہنچایا ہے۔

عصر حاضر کے زبردست شیعہ عالم شہید باقر الصدر نے حکم شرعی کی تعریف یوں کی ہے۔

"وہ شریعت جو انسانی حیات کو سنوارنے اور اسے بامقصد بنانے کے لئے اللہ

---

(۱) جاثیہ ۱۸

کی طرف آئی ہو۔" (۱)

یہ تو ہم سب پر واضح ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تمام مسلمان احکام شرعی آنحضرت سے ہی حاصل کرتے تھے۔ اس وقت وہی خدا کی طرف سے تبلیغ کرنے والے اور لوگوں پر احکام خدا اور قرآنی دستورات کے پوشیدہ اسرار کو واضح کرنے والے تھے۔

اس کے علاوہ خود قرآن مجید نے بھی تمام لوگوں کے سامنے یہ وضاحت کر دی ہے کہ کتاب خدا اور اس کے رسول کی سنت ہی احکامات اور شریعت کا سرچشمہ ہے۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

ثم جعلناک علی شریعة ..."

اسی طرح دوسری آیت میں اس کا فرمان ہے:

" وما آتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا۔" (۲)

(جو کچھ بھی رسولؐ تمھیں عطا کریں اسے لے لو اور جس چیز سے بھی وہ تمہیں روکیں اس سے باز رہو۔)

ائمہ اہل بیت علیہم السلام اور ان کی علمی نہج اور فکری روش کی پیروی کرنے والے ان افراد نے بھی یہی راہ اختیار کی جنھیں کتاب خدا اور اس کے نبی کریم

---

(۱) دروس فی علم اصول الفقہ۔ الحلقة الثانیة: ص ۱۳

(۲) حشر: ۷

کی سنت کی حفاظت کے لئے ان کی علمی کاوشوں سیاسی و فکری زحمتوں کا احساس تھا۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے یہ کہتے ہوئے اس راستے کی وضاحت کی:

" ان اللہ تبارک و تعالی لم یدع شیئا یحتاج الیہ الامۃ الا انزلہ فی کتابہ و بینہ لرسولہ و جعل لکل شئی حدا و جعل علیہ دلیلا یدل علیہ و جعل علی من تعدی ذلک الحد حدا ۔" (۱)

(خدا وند عالم نے کسی بھی ایسی چیز کے ذکر کو قرآن میں اور رسول کے بیان میں فراموش نہیں کیا ہے جس کی امت کو ضرورت ہو سکتی تھی اور اس نے ہر چیز کی ایک حد معین کی ہے اور اس پر دلالت کرنے کے لئے ایک دلیل بھی قرار دی ہے اور اس حد سے تجاوز کرنے والے کے لئے بھی اس نے حد معین کر دی ہے۔)

اس حقیقت کی مزید تاکید اور اسے ایک فکری و شرعی نہج کی شکل میں پیش کرنے کے لئے امام صادق علیہ السلام نے اپنے اصحاب اور شاگردوں کے سامنے رسول خدا سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث نقل کی:

" ان علی کل حق حقیقۃ و علی کل صواب نورا فما وافق کتاب اللہ فخذوہ و ما خالف کتاب اللہ فدعوہ۔" (۲)

---

(۱) کلینی / الاصول من الکافی: ج ۱ ص ۵۹

(۲) گزشتہ حوالہ: ج ۱ ص ۷

(بے شک ہر حق کے ساتھ ایک حقیقت اور ہر درستگی کے ساتھ ایک نور ہوتا ہے لہذا جو بھی کتاب خدا کے موافق ہو اسے لے لو اور جو کتاب خدا سے الگ ہو اسے چھوڑ دو ۔)

اس کے بعد آپؑ نے اس اصول پر ایک دفعہ پھر زور دیتے ہوئے فرمایا :

" **کل شئی مردود الی الکتاب و السنۃ و کل حدیث لا یوافق کتاب اللہ فھو زخرف** " (۱)

(ہر چیز کتاب خدا اور سنت رسولؐ کی طرف پلٹتی ہے اور ہر وہ بات جو کتاب خدا کے موافق نہیں فریب اور دکھاوا ہے ۔)

اس کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام ائمہ اہل بیت کی طرف سے بیان ہونے والے ان احکامات اور فتووں کے اصل منبع سے لوگوں کو آگاہ کرتے ہیں جیسے وہ اپنے دروس ، جوابات اور وضاحتوں میں پیش کرتے ہیں ۔

آپؑ فرماتے ہیں :

" **انا اذا تحدثنا حدثنا بموافقۃ القرآن والسنۃ ...** " (۲)

(ہم جب بھی بولتے ہیں تو قرآن اور سنت رسول کے موافق بولتے ہیں ۔)

اسی طرح امام موسیٰ کاظمؑ نے بھی ائمہ علیہم السلام کے فتووں اور احکامات کا سرچشمہ بتاتے ہوئے ایک سوالی کے جواب میں وضاحت کی ۔ اس سوالی نے

---

(۱) گزشتہ حوالہ

(۲) رجال الکشی ج ۲ ص ۴۸۹

آپ سے سوال کیا گیا کہ کیا کتاب خدا اور سنت نبی میں سب کچھ موجود ہے یا آپ اس سلسلے میں اپنی رائے سے بھی کچھ کہتے ہیں؟

امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا:

"نہیں بلکہ ہر چیز قرآن مجید اور سنت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موجود ہے۔" (۱)

یہاں پر ہم نے یہ مناسب جانا کہ مختلف فقہی مکاتب اور ان کی اعتقادی اور تاریخی جڑوں نیز ان کے درمیان اہل بیت علیہم السلام کے مکتب کے ظہور اور بقیہ مسالک سے الگ، اس کے خاص امتیازی مقام کی طرف بھی ہلکا سا اشارہ کریں۔

جیسا کہ یہ بات عام ہے کہ سیاسی اور شرعی میدانوں اور قرآن و سنت کے ادراک کے سلسلے میں صحابہ کی مختلف آراء تھیں اور واضح طور پر ان کے درمیان اختلاف بھی موجود تھا یہاں تک کہ بعض علماء اور اصولیوں نے مذہب الصحابی کی اصطلاح بھی وضع کر دی جس سے ان کی مراد اصحاب کے ادراک کی روش تھی اسی طرح ان اصحاب کی عملی سیرت کو سنت صحابہ کہا جانے لگا۔

شاطبی نے اپنی کتاب موافقات (۲) میں ذکر کیا ہے: سنت صحابہ ایسی سنت کو کہتے ہیں جس پر صحابہ عمل کرتے ہیں اور مختلف مواقع پر اس کی طرف رجوع

---

(۱) کلینی / الاصول الکافی ج ۱ ص ۶۲

(۲) شاطبی / کتاب الموافقات ج ۴ ص ۷۴

کرتے ہیں ۔"

اسی طرح ابو حنیفہ نے کہا ہے : اگر کسی مسئلے کا حل مجھے قرآن اور سنت نبوی میں نہیں ملتا تو میں رسول خدا کے قول " ان (یعنی اصحاب) میں سے جس کو قول چاہو اختیار کر لو اور جس کو چاہو چھوڑ دو " کے تحت سنت صحابہ کو اختیار کر لیتا ہوں ۔ (۱)

آمدی حنبلی نے کہا ہے : تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ اجتہادی مسائل میں مذہب صحابہ دوسرے مجتہد اصحاب کے لئے حجت نہیں ہوگا ۔ چاہے وہ صحابی امام ہو ، مفتی ہو یا پھر حاکم البتہ مجتہدین تابع اور ان کے بعد آنے والوں کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے ۔ لہذا اشاعرہ ، معتزلہ ، احمد بن حنبل اور کرخی نے کہا ہے کہ سنت صحابہ حجت نہیں ہے ۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ مذہب صحابہ حجت نہیں ہو سکتا ۔" (۲)

البتہ جہاں تک اہل بیت علیہم السلام کے پیروکاروں کا تعلق ہے تو انھوں نے مذہب صحابہ اور ان کے بعد آنے والوں کے درمیان صرف ان چیزوں کو اختیار کیا جسے امام علیؑ اور ان کے اہل بیت نے بیان کیا اور انھوں نے ان عظیم شخصیات کے فرمان کو حجت بتاتے ہوئے اس کی پیروی کو لازم قرار دیا ۔ کیونکہ تمام صحابہ کے درمیان نبی اکرمؐ کے بیان سے واضح ہو چکا تھا کہ علی علیہ السلام

---

(۱) خطیب بغدادی / تاریخ بغداد : ج ۱۳ ص ۳۶۸

(۲) اصول الاحکام / طحاوی : ج ۲ ص ۱۵۵

تمام صحابہ سے زیادہ علم رکھتے تھے اور فتوی و احکامات بیان کرنے کے سلسلے میں وہی تمام صحابہ کے درمیان اس طرح مرکزی حیثیت کے مالک تھے کہ جب بھی انھیں کوئی مشکل پیش آتی تھی تو وہ سب کے سب حضرت علی علیہ السلام سے رجوع کرتے تھے۔

نبی اکرمؐ سے روایت ہے کہ جب آپ نے یہ آیت پڑھی:

" **و تعیها اذن واعیة** " تو آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام کی طرف رخ کرکے فرمایا:

" **سالت ربی ان یجعلها اذنک** "

(میں نے اپنے پروردگار سے سوال کیا ہ کہ وہ تمہاری سماعت کو ایسا بنا دے)

یہ سن کر حضرت علی علیہ السلام نے سے فرمایا:

" **فسما سمعت شیئاً من رسول اللّٰہ فنسیته** " (۱)

(میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سنی ہوئی کسی بھی بات کو کبھی نہیں بھولا۔)

اسی طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

" **اقضاکم علی، انا مدینة العلم و علی بابها** "

(تم سے سب سے زیادہ بہتر فیصلہ کرنے والے علی ہیں، میں شہر علم ہوں اور

---

(۱) اس روایت کو ابن جریر، زمخشری اور کشاف نے اپنی تفسیروں میں اور ہیثمی نے مجمع میں، سیوطی نے در منثور میں متقی ہندی نے کنزل العمال کی ج ۶ ص ۴۰۸ میں اور واحدی نے اسباب النزول میں نقل کیا ہے

علی اس کا دروازہ ہیں)(۱)

اس کے علاوہ آپؐ کا یہ قول تواتر کے ساتھ نقل ہوا ہے

" انی ترکت فیکم الثقلین ، احدھما اکبر من [illegible] کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی ، فانظروا کیف تخلفونی فیھما ، فانھما لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض "

(میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ [illegible] کتاب اور میرے اہل بیت لہذا دھیان رکھنا کہ میرے بعد تم [illegible] کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو بلاشبہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض پر آ جائیں گے ۔)

امامت ، عقیدے ، فقہ ، حدیث اور تفسیر [illegible] طرح سے تشکیل پاتا ہے یہ مکتب اہل بیت علیؑ کے مکتب کا سلسلہ ہے ۔

جب اجتہاد رائج ہوا جس کے نتیجے میں ابو حنیفہ امام مالک ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل جیسے مختلف مجتہدوں کے مکاتب [illegible] نے جنم لیا تو اس وقت اہل بیت علیہم السلام کے مکتب کے پیروکار [illegible] نے امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہم السلام کی فقہ کی پیروی جاری رکھی [illegible] سے ابو حنیفہ امام مالک اور بہت سے محدثوں اور فقہا نے علم حاصل کیا تھا

---

(۱) حدیث کا پہلا حصہ : استیعاب / ابن عبد البر [illegible] طبرانی [illegible] الکبیر : ج ۱۱ ص ۵۵ ح ۱۱۰۶۱ ۔

یہ اسلامی مذہب اسی طرح شریعت کے سرچشمے اور احکامات حاصل کرنے کے لئے ایک راستے کے عنوان سے کتاب خدا اور سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہمارے ائمہ اہل بیت کے ہاتھوں نشو و نما کرتا رہا۔

شیعہ علماء کے نزدیک اس راہ کی حیثیت پر زور دیتے ہوئے عصر حاضر کے کے زبردست عالم دین شہید باقرؒ الصدر کہتے ہیں:

"فتوے کے مصادر ہم نے یہ ضروری سمجھا کہ آخر میں اختصار کے ساتھ ان مصادر کا ذکر کر دیں جن پر ہم نے اس فتوے کے لئے خاص طور سے اعتماد کیا ہے اور وہ مصادر سے مراد، جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں، کتاب کریم ہے اور وہ سنت نبی ہے جو ثقات اور حدیث نقل کرنے میں نہایت محتاط اور متقی افراد کے حوالے سے نقل کی گئی ہو چاہے وہ کسی بھی مسلک سے تعلق رکھتے ہوں۔ اور جہاں تک قیاس اور استحسان کا سوال ہے تو ہمارے نزدیک ان پر اعتماد کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

لیکن جسے دلیل عقلی کہا جاتا ہے اور جس کے متعلق علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا اس پر عمل جائز ہے یا نہیں تو ہم بھلے ہی یہ مانتے ہیں کہ اس پر عمل جائز ہے لیکن اس کے باوجود آج تک ہم نے کوئی ایسا حکم نہیں دیکھا جس کا اثبات صرف اس معنی کی دلیل عقلی ہی پر موقوف ہو بلکہ دلیل عقلی کے ذریعے ثابت ہونے والی ساری چیزیں، کتاب یا سنت نبوی سے بھی ثابت ہوتی ہیں۔

البتہ جہاں تک اجماع کا تعلق ہے تو کتاب اور سنت کی سطح کی کسی دلیل کے عنوان سے اس کا شمار نہیں ہوتا یعنی اس کا درجہ کتاب اور سنت کے برابر ہرگز نہیں ہے ۔ بلکہ بعض مخصوص حالات کے علاوہ اس پر بھروسہ کرنا درست نہیں ہے ۔ (۱)

اس طرح سے الٰہی احکامت کے حصول کے بنیادی مصادر صرف کتاب خدا اور سنت نبی ہیں ۔ ہم خداوند عالم سے دعاکرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان دونوں سے تعلق بنائے رکھنے والوں میں سے قرار دے کیونکہ ان سے متمسک ہونے والا اللہ کی مضبوط رسی کو تھام لیتا ہے ۔

---

(۱) شہید باقر الصدر / الفتاوی والواضحۃ : ص ۹۸

قرآن اور تفسیر کی روش

قران وہ لا زوال الہی پیغام ہے جسے اللہ تعالی نے توریت اور انجیل میں رونما ہو جانے والی تحریفات سے مشابہ ہر قسم کے تغیر و تبدیلی سے محفوظ رکھا ہے خدا وند عالم کا قول ہے:

" انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون۔ " (۱)

(بلا شبہ ہم نے ذکر (یعنی قران) کو نازل کیا ہے اور بلا شبہ ہمیں اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔)

" ان علینا اجمعه و قرآنه۔ " (۲)

(بے شک اس کو جمع کرنا اور پڑھوانا ہماری ذمہ داری ہے۔)

البتہ یہاں یہ بھی یاددہانی ضروری ہے کہ بعض جھوٹے اور جعل سازوں نے قران مجید کے سلسلے میں ایسی روایتیں گڑھی ہیں جن کی رو سے یہ ثابت ہوتا

---

(۱) حجر: ۹

(قیامت: ۱۷

ہے کہ موجودہ قرآن مجید میں کمی بیشی واقع ہوئی ہے۔

لیکن شیعہ علماء نے اس دعوے کی تردید کرتے ہوئے اسے ناقابل قبول قرار دیا ہے، ان کا فیصلہ یہ ہے کہ قرآن مجید مکمل ہے اور تحریف وغیرہ سے محفوظ رہا۔ یہ ثابت کرنے کے لئے شیعہ علماء نے سیکڑوں کتابیں لکھی ہیں ہم ان میں سے چوتھی صدی ہجری کے مشہور شیعی عالم شیخ طوسی کا قول نقل کر رہے ہیں۔

" جہاں تک قران میں کمی و بیشی کا سوال ہے تو یہ بھی قرآن کے شایان شان نہیں ہے کیونکہ اس میں اضافہ نہ ہونے کے سلسلے میں مسلمانوں میں اجماع ہے اور اس میں کمی کا جہاں تک سوال ہے تو ظاہراً مسلمان اس بات کو بھی قبول نہیں کرتے اور ہمارے مکتب کے لحاظ سے یہ بات صحت سے زیادہ قریب ہے جیسا کہ روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ (۱)

عظیم مفسر طبرسی نے کہا ہے: شیعہ علماء اور محققین کے درمیان جو بات مشہور ہے بلکہ جو بات متفقہ طور پر قبول کی گئی ہے وہ قرآن میں تحریف نہ ہونا ہے۔ (۲)

اسی طرح تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے مشہور شیعی عالم شیخ صدوق نے کہا ہے:

" اور ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ قرآن جو اللہ تعالی نے اپنے نبیؐ کے پر نازل کیا

---

(۱) مجمع البیان فی تفسیر القرآن: مقدمۃ التفسیر۔ باب الفن الخامس

(۲) الشیخ البلاغی / آلاء الرحمن فی تفسیر القرآن: ج ۱ ص ۱۸

ہے وہی ہے جو دونوں دفتیوں کے درمیان ہے اور اس سے زیادہ نہیں ہے اور جو ہماری طرف اس بات کی نسبت دے کہ ہم اس سے زیادہ قرآن کے قائل ہے تو وہ جھوٹا ہے۔" (۱)

عصر حاضر کے عظیم شیعہ فقیہ اور محقق سید ابو القاسم الخوئیؒ نے فرمایا ہے:

لیکن ہم اس کے بعد ان شاء اللہ یہ بیان کریں گے کہ عثمان نے جس قرآن کو جمع کیا تھا وہی مسلمانوں کے درمیان رائج تھا جسے لوگوں نے سینہ بسینہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے حاصل کیا تھا اور جہاں کمی و بیشی کے حوالے سے اس میں تحریف کا سوال ہے تو اس طرح کی تحریف ان مصاحف میں وقوع پزیر ہوئی تھی جو عہد عثمان کے بعد ختم ہو گئے تھے (۱) اس وقت موجودہ قرآن جو ہمارے پاس ہے اس میں نہ تو کمی ہوئی ہے اور نہ ہی کسی طرح کا اضافہ عمل میں آیا ہے۔ (۲)

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی مناسب ہوگا کہ علماء اور محققین کا اس بات پر اجماع ہے کہ شیعی اور سنی کتابوں میں قرآنی تحریف کے سلسلے میں وارد ہونے والی روایات ساری کی ساری سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں جن کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ان کا کوئی شمار ہے۔ البتہ اس طرف توجہ دلانا بھی ضروری ہے کہ ائمہ اہل بیت سے قرآن کی تحریف کے سلسلے میں وارد ہونے والی روایتوں میں

---

(۱) یہاں وہ مصاحف مراد ہیں جنھیں جمع قرآن کے بعد عثمان نے جلا دیا تھا۔

(۲) البیان فی تفسیر القرآن: ص ۲۱۷

تحریف کا مطلب ، بعض مفسروں ، اور گمراہ و منحرف افراد کی طرف سے اس کے معانی میں رد و بدل ہے اور اس بات کی تصدیق خدا وند عالم کے اس قول سے بھی ہوتی ہے :

" فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاویله وما یعلم تاویله اللّٰہ والراسخون فی العلم یقولون آمنا به کل من عند ربنا وما یذکر الا اولوا الالباب " (۱)

(البتہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنے اور تاویل کی غرض سے ان آیات میں سے متشابہ مفہوم کی پیروی کرتے ہیں اور اس کی تاویل خدا اور علم میں ڈوبے ہوئے لوگوں کے علاوہ کوئی نہیں جانتا جو یہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے اور عقل والوں کے علاوہ کوئی بھی ذکر نہیں کرتا)

---

(۱) آل عمران : ۷

وضاحت اور تصحیح

قرآن مجید کے متعلق گفتگو کا سلسلہ ختم کرنے سے پہلے ایک ایسی اصطلاح کی وضاحت کر دینا مفید ہوگا جس کے سمجھنے میں اکثر لوگ غلطی کر جاتے ہیں اور بعض لوگوں کے ذہنوں میں اس سے متعلق شبہات جنم لینے لگتے ہیں وہ " مصحف فاطمۃ " کی اصطلاح ہے اس سلسلے میں شک و شبہ پیدا کرکے مسلمانوں کے درمیان اختلافات پیدا کرنے کے لئے ایک ایسے اعتقادی شبہ کو تقویت دینے کے لئے بڑی کوششیں کی گئیں جس کی رو سے اہل بیت علیہم السلام کے پیروکاروں کے پاس ایک دوسرے قرآن کا وجود ثابت ہوتا ہے جو مسلمانوں کے درمیان رائج قرآن سے یکسر مختلف ہے۔

بے شک اس طرح کے شبہات اور لفظ و اصطلاح کے غلط معنی پر اصرار کی مثال وہی جس کے متعلق قران مجید نے فرمایا ہے:

" هو الذی انزل علیک الکتاب منه آیات محکمات هن ام الکتاب و اخر متشابهات فاما الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ما

تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاويله ۰"

(وہ جس نے تم پر کتاب نازل کی جس میں محکم آیات ہیں جو ام کتاب ہیں اور دوسری وہ آیات ہیں جو تشابہ ہیں لہذا جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ اور تاویل کی غرض سے تشابہۃ آیات کی پیروی کرتے ہیں ....)

اس غلط فہمی اور شبہ پیدا کرنے کی کوشش کی مزید وضاحت کے لئے ہم کلمہ مصحف کے لغوی معنی پر غور کرتے ہیں اس کے بعد ہمیں یہ سوچنا ہوگا کہ کیا شرعاً یہ قرآن کا ایک نام ہے یا نہیں ؟ اس کے بعد مصحف فاطمہ کے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام سے وارد ہونے والی روایت پر بھی نظر ڈالیں گے تاکہ مختصر طور پر ہمیں اس مصحف کی حقیقت سے آشنائی حاصل ہو جائے ۔

راغب اصفہانی نے کہا ہے : صحیفہ یعنی کسی بھی چیز کی پھیلی ہوئی شکل جیسے صحیفہ وجہ یعنی چہرے کا صحیفہ ۔ اسی طرح صحیفہ اس چیز کو بھی کہتے ہیں جس پر کوئی چیز لکھی گئی ہو اس کی جمع صحائف اور صحف ہے.... اور مصحف ، لکھے ہوئے کو اکھٹا کرنے والی چیز کو کہتے ہیں اور اس کی جمع مصاحف ہے ۔ (۱)

رازی نے کہا ہے : صحیفہ یعنی کتاب ۔ (۲) اس کی جمع صحف اور صحائف ہے ۔ میم پر کسرے اور ضمے کے ساتھ ۔ البتہ ضمہ کے ساتھ صحیح ہے کیونکہ یہ ماضی مجہول یعنی اصحف سے لیا گیا ہے جس کے معنی : اس میں صحیفے اکھٹا کئے

---

(۱) راغب اصفہانی / معجم مفردات الفاظ القرآن

(۲) رازی / مختار الصحاح

گئے ہیں، کے ہوتے ہیں۔

عربوں کے درمیان یہ بات نہایت معروف ہے اور وہ اس لفظ کو ایسی چیز کے لئے استعمال کرتے ہیں جس میں مختلف لکھی ہوئی چیزیں اکٹھا کی گئی ہوں یعنی مصحف ایسی کتاب کو کہتے ہیں جو کئی صفحات کا مجموعہ ہو یہ قرآن کا نام نہیں ہے۔

مسلمانوں کے درمیان قرآن کے لئے کلمہ مصحف کا استعمال اس وقت سے شروع ہوا جب مختلف چیزوں پر لکھے گئے قرآن کو یکجا کر دیا گیا۔ لہذا یہ قرآن کا شرعی نام نہیں ہے کیونکہ کتاب خدا کے لئے ایسے شرعی نام موجود ہیں جو خدا وند عالم نے اس کتاب کے لئے معین کئے ہیں خاص طور سے یہ نام: قرآن، فرقان، ذکر، کتاب، کلام اللہ اسی طرح قرآن کے اوصاف بھی متعدد ہیں جیسے نور مبین، سراج ہدا وغیرہ

خدا وند عالم نے کسی بھی جگہ قرآن کو مصحف نہیں کہا ہے بلکہ قرآن کو ایک جگہ جمع کرنے کے بعد مسلمانوں نے قرآن کو مصحف کہنا شروع کر دیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ علماء جب قرآن کے سلسلے میں گفتگو کرتے ہیں تو اسے مصحف نہیں کہتے بلکہ وہ قرآن، کتاب، ذکر حکیم، فرقان یا کلام اللہ جیسے نام استعمال کرتے ہیں۔

اسی طرح ایک اور روایت میں مصحف فاطمہ سلام اللہ علیہا کا ذکر ہے روایت کے الفاظ یوں ہیں: ... و عندنا واللّٰہ مصحف فاطمہ، ما فیہ آیۃ من کتاب اللّٰہ، و انہ لاملاء رسول اللّٰہ و خطہ علی بیدہ ...

(اور خدا کی قسم ہمارے پاس مصحف فاطمہ ہے جس میں قرآن کی کوئی بھی آیت نہیں ہے بلکہ اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کیا ہے اور حضرت علی علیہ اسلام نے اپنے ہاتھوں سے لکھا ہے ۔) (۱)

اسی طرح امام صادق علیہ السلام سے مروی ایک اور حدیث بھی پوری طرح سے مصحف فاطمی کی وضاحت کرتی ہے ۔ روایت میں آیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علیؑ سے جو بیان کیا ہے وہ قرآن نہیں ہے اور نہ ہی اس میں قرآن کی کوئی آیت ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے مختلف علوم اور احکامات بیان کئے جس کو حضرت علی علیہ السلام نے جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے صحیفے میں لکھ دیا اور اسی لئے اس کا نام مصحف فاطمی پڑ گیا یعنی جناب فاطمہؑ کی وہ کتاب جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیانات پر مشتمل ہے اور جسے جضرت علیؑ نے کتابی شکل دی ہے مختلف علوم کے حصول کے سلسلے میں ائمہ اہل بیت اسی مصحف سے استفادہ کرتے ہیں ۔ اسے دوسرا قرآن کہنا سراسر بہتان ہے جیسا کہ الزام لگانے والے کہتے ہیں حالانکہ تمام شیعہ سنی علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں کے پاس اس وقت موجود قرآن بلا کمی و بیشی کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والا قرآن ہے خداوند عالم نے اس کی حفاظت کا عہد کیا ہے جیسا

---

(۱) مجلسی / بحار الانورا ۔ ج ۴۷ ص ۲۷۱ ۔ تاریخ الامام جعفر الصادق علیہ السلام

کہ اس نے فرمایا ہے :

" انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون "

(بے شک ہم نے قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں ۔)

اسی طرح اس نے دوسری جگہ فرمایا ہے :

" ان علینا جمعه و قرآنه "

(بے شک اس کو اکٹھا کرنا اور پڑھوانا ہماری ہی ذمہ داری ہے)

علماء اور محققین کے نزدیک اس اجماع کے بر خلاف قرآن میں تحریف ہونے کے سلسلے میں بعض غیر معتبر اور ضعیف السند روایت کا کوئی اعتبار نہیں ہے ۔ اس قرآن کی حفاظت کے لئے خدا وند عالم نے نبی اکرمؐ کے عہد سے لے کر آج تک ہر نسل میں ہزاروں حافظ قرآن پیدا کئے ہیں ۔

اسی طرح رسول اکرمؐ کے زمانے میں بھی قرآن کتابی شکل میں موجود تھا آنحضرتؐ کے پاس وحی لکھنے والے خاص کاتب موجود تھے اور مسلمانوں نے بلاواسطہ نبی اکرمؐ سے قرآن حاصل کیا ہے جسے انھوں نے کتابی شکل میں اپنے بعد آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کر لیا بلکہ بعض صحابہ تو قرآن حفظ کرنے کے بعد اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے پڑھتے بھی تھے اور شیخ صدوق ، شیخ مفید ، سید مرتضی ، شیخ طوسی علامہ حلی جیسے علماء اہل بیت نے مختلف صدیوں کے دوران طویل ترین تحقیقات کے ذریعے اسے ثابت بھی کیا ہے ۔

ادراک اور تفسیر کی نہج

تفسیر: یعنی قرآن مجید میں خدا کی مراد کی وضاحت کرنا۔ (۱)

امام زین العابدینؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

"آیات القرآن خزائن ، فکلما فتحت خزینة ینبغی لک ان تنظر فیھا" (۲)

(قرآنی آیات خزانے ہیں لہذا جب بھی کوئی خزانہ کھولا جائے تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم اس میں نگاہ دوڑاؤ۔)

عصر صحابہ سے لے کر آج تک مسلمانوں نے قرآن کے صحیح ادراک اور اس کی تفسیر پر خاص توجہ دی ہے کیونکہ بہر حال اسلامی تفکر اور اس کی بنیادوں کی

---

(۱) مرجع دینی سید ابو القاسم الخوئی / مجمع البیان فی تفسیر القرآن: ص ۲۲۱

(۲) کلینی / الاصول من الکافی: ج ۲۔ کتاب فضل القرآن۔

حفاظت میں تفسیر کا بہت اہم کردار رہا ہے۔

قرآن کی تفسیر اور اس کے ادراک میں غلطی کی وجہ ہی سے آراء مختلف اور منحرف ہوئے ہیں اور قرآن کو مختلف انداز میں سمجھنے کی ہی وجہ سے مختلف مکاتب اور مسلکوں نے جنم لیا ہے۔

تفسیر کے کچھ اصول اور طریقے ہوتے ہیں لہذا مکتب اہل بیت نے تفسیر کے لئے کچھ قوانین اور اصول معین کئے ہیں جن میں سے اہم یہ ہیں :

۱۔ حجیت ظہور کی پابندی : اس مکتب فکر کے مطابق فصیح اور صحیح عربی کے لحاظ سے قرآن کے ظاہر سے جو معنی سمجھ میں آئیں وہ حجت اور دلیل کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی پابندی لازم ہے کیونکہ قرآن عربی میں نازل ہوا ہے اور قرآن نے اپنے نزول کے زمانے میں رائج زبان یعنی عربی کے ذریعے لوگوں کو مخاطب کیا ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے :

" **انا انزلناہ قرآناً عربیاً لعلکم تعقلون** " (۱)

(ہم نے عربی قرآن نازل کیا ہے کہ شاید تمھیں عقل آ جائے)

۲۔ نبی اکرم اور ان ائمہ اہل بیتؑ کے اقوال کے سہارے تفسیر کرنا جنھوں نے تمام علوم ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے حاصل کئے ہیں کیونکہ نبیؐ ہی قرآن مجید کی وضاحت کرنے والے اور اس کے مشمولات سے پوری طرح

---

(۱) یوسف : ۲

آگاہ تھے خداوند عالم کا فرمان ہے :

" وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لهم الذی اختلفوا فیه... "

(اور ہم نے تم پر قرآن صرف اس لئے نازل کیا ہے تاکہ تم اختلاف والی اشیاء کو ان کے لئے بیان کرو۔" (۱)

۳۔ تفسیر اور ادراک کے سلسلے میں عقل پر بھروسہ کرنا : قرآن مجید نے الٰہی کلام کو سمجھنے اور اس کے معانی کے ادراک کے لئے عقل کو بروئے کار لانے کی دعوت دی ہے :

" الا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالها " (۲)

(کیا وہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں ۔)

اس طرح اہل بیت علیہم السلام کے مکتب میں تفسیر کا طریقہ ، قرآنی اصولوں پر استوار ہے : یہی وجہ ہے کہ ائمہ اہل بیت اور شیعہ علماء نے رائے اور مذکورہ بنیادوں سے ہٹ کر کسی دلیل کے بغیر علم کے تفسیر کرنے سے منع کیا ہے ۔

سنت کے اثبات کی روش :

سنت نبی : ہر وہ چیز کو کہتے ہیں جو نبیؐ کا قول یا عمل کہی جاتی ہو یا پھر نبی اکرمؐ نے کسی بھی قول یا عمل کو انجام پزیر ہوتے دیکھا ہو لیکن اس پر اعتراض

---

(۱) نحل : ۶۴

(۲) محمد : ۲۴

نہ کیا ہو۔ (۱)

صحابہ کرام نے سنت نبی کو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بلاواسطہ یا پھر اس سے حاصل کیا ہے جس نے آپؐ کی حدیث سنی ہو یا آپؐ کے کسی فعل یا آپؐ کی تائید کا مشاہدہ کیا ہو۔

اس زمانے میں سنت نبیؐ جعل سازی اور تحریف سے محفوظ تھی گو کہ بعض جعل سازوں نے اس وقت بھی یہ کوشش کی تھی لیکن وہ اپنی اس کوشش میں ناکام رہے کیونکہ صحیح اور غلط کی تشخیص دینے کے لئے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم موجود تھے بلکہ آپؐ کی وفات کے فوراً بعد بھی یہ کام تقریباً ناممکن تھا کیونکہ ایسے اصحاب کافی تعداد میں موجود تھے جنھوں نے آپؐ کی احادیث آپؐ ہی کی زبان مبارک سے سنی تھیں۔

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جوں جوں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عہد سے مسلمان دور ہوتے گئے سنت نبی قرآن کی طرح کتابی شکل میں نہ ہونے کی وجہ سے تحریف کا شکار ہو گئی یوں بھی قرآن کے برعکس، رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی احادیث، بشری کلام کے زمرے میں آتی تھیں لہذا ان میں تحریف اور کمی و بیشی کرنا ناممکن نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف بے شمار احادیث منسوب کردی گئیں اور بہت

---

(۱) شہید باقر الصدر / دروس فی علم اصول الفقہ۔ الحلقۃ الاولیٰ: ص ۸۴

سے لوگوں نے آپؐ کی لا تعداد احادیث کو لوگوں کے سامنے بیان ہی نہیں کیا یا اگر بیان بھی کیا تو انھیں توڑ مروڑ کر پیش کیا۔

یہاں پر یہ وضاحت کر دینا بھی ضروری ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کے پیروکاروں نے احکامات اور مسائل کے سلسلے میں ائمہ علیہم السلام کے بیانات کو سنت نبی اکرمؐ کا سلسلہ جانا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے مندرجہ ذیل بیان کی وجہ سے ائمہ علیہم االسلام کے کلام کو الٰہی احکامات کے حصول کا ٹھکانا قرار دیا۔

" و انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ عز و جل و عترتی ، کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض ، و عترتی اهل بیتی ، وان اللطیف الخبیر اخبرنی انهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض فانظرونی بم تخلوفونی فیهما "

(اور میں تم لوگوں کے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں کتاب خدا اور میرے اہل بیت کتاب خدا جو آسمان سے لے کر زمین تک کھچی رسی ہے (یعنی آسمان سے رابطے کا ذریعہ ہے) اور میری عترت جو میرے گھر والے ہیں ، اور لطیف و خبیر نے مجھے بتایا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض تک پہنچ جائیں گے لہذا میں دیکھوں گا تم میرے بعد اان کے ساتھ کس طرح سے پیش آتے)

سنت کی حفاظت اور اسے نقل کرنے کے سلسلے میں مکتب اہل بیت نے اہل

بیت علیهم السلام اور متقی راویوں پر بھروسہ کیا ہے کیونکہ ان کا یقین ہے کہ سنت نبوی ان کے ہاتھوں میں محفوظ رہی ہے۔ البتہ اہل بیت علیہم السلام سے احادیث نقل کرنے والوں میں بہت جعل ساز، جھوٹے، غالی، مفوضہ اور مجسمہ افراد شامل ہو گئے۔ لہذا انھوں نے ائمہ اہل بیت کی احادیث میں اسی طرح تحریف کی جس طرح جعل سازوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے بعد آپؐ کی احادیث کے سلسلے میں کیا تھا۔ لہذا مکتب اہل بیتؑ میں سنت کو ثابت کرنے کا طریقہ یوں ہے:

۱۔ حدیث اور اس کی سند کے متعلق تحقیق کئے بغیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی کسی بھی حدیث کو قبول نہ کرنا۔

۲۔ سنت نبوی کے اثبات کی سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ وہ قرآن اور بالکل واضح سنت کی مخالفت نہ کرتی ہو۔

اور اسی بنیاد پر مکتب اہل بیت یعنی شیعہ اثنا عشری مکتب میں کسی بھی حدیث کی کتاب میں وارد ہونے والی تمام احادیث صحیح نہیں تسلیم کی جاتی ہیں بلکہ اس مکتب کے لحاظ سے احادیث اور روایات کی تمام کتابیں محققین اور دانشمندوں کے رجوع کے لئے تدوین کی گئی ہیں۔

۳۔ اس مکتب کے نزدیک کسی بھی روایت یا حدیث کو قبول کرنے کے لئے بنیادی اصول، مذہب اور نظریات سے قطع نظر اس کے راوی کا سچا اور قابل اعتماد ہونا ہے۔

اختتام

" شرع لکم من الدین ما وصیٰ به نوحاً والذی اوحینا الیک وما وصّینا به ابراهیم و موسی و عیسی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیه کبر علی المشرکین ما تدعوهم الیه اللّٰہ یجتبی الیه من یشاء ویهدی الیه من ینیب " (شوریٰ: ۱۳)

(تمہارے لئے اس دین کو اس نے تمہاری شریعت قرار دیا جس کے لئے نوح کو نصیحت کی تھی اور جس کے لئے تمہارے اوپر وحی نازل کی تھی اور ابراہیم ، موسیٰ ، عیسیٰ کی جس کی نصیحت کی تھی کہ دین کو قائم کرو اور اس میں اختلاف نہ پیدا کرو مشرکوں کو وہ چیز بڑی بھاری لگتی ہے جس کی طرف تم انھیں بلاتے ہو اللہ جسے چاہتا ہے چن لیتا اور جو اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کی اپنی طرف ہدایت کردیتا ہے ۔)

قرآن مجید کی اس آیت میں ہم بخوبی یہ بات محسوس کر سکتے ہیں کہ اس عظیم آسمانی کتاب نے آپس کے اختلافات ختم کرکے دین کے استحکام کے لئے میدان عمل میں آنے کی دعوت دی ہے ۔

ایک ایسے فکری و سیاسی اتحاد کی طرف بلایا ہے جو عصر حاضر کے چیلنجوں اور اسلام مخالف نظریات و عقائد سے مقابلے کے لئے مسلمانوں کی قوت میں اضافہ کرے گا ۔ خداوند عالم کے اس خطاب میں الٰہی شریعت کی پابندی کا حکم اور اسلامی معاشرہ و حکومت کی تشکیل اور اس کی بنیاد پر زندگی گزارے کا حکم صاف طور سے محسوس کیا جا سکتا ہے ۔

قرآن مجید کی اس آیت کی بنیاد پر ہم دین قائم کرنا اور مسلمانوں کے درمیان اختلافات کو ختم کرکے ان کے درمیان اتحاد کی کوششیں کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں ۔

بے شک اتحاد کی بنیادیں اور اس کے اصول تمام مسلمانوں کے سامنے بالکل واضح ہیں کیونکہ تمام مسمان چاہے وہ شیعہ ہوں یا سنی اس بات پر متفق ہیں کہ جس نے بھی شہادتین کی گواہی دے دی وہ مسلمان ہے ، جو حق تمام مسلمانوں کا ہوگا وہی اس کا ہوگا ۔ اسی طرح تمام مسلمانوں کو اللہ ، اس کی کتابوں ، رسولوں ، ملائکہ ، قضا و قدر اور یوم آخر پر پورا ایمان ہے اسی طرح تمام مسلمانوں کا یہ بھی ایمان ہے کہ اسلامی شریعت ، کتاب خدا اور سنت نبی کے سہارے استوار ہے اور تمام مسلمانوں نے قرآن اور احادیث نبوی کے سلسلے

میں اجتہاد اور ان دو سرچشموں سے احکامات کے حصول کو جائز قرار دیتے ہوئے اس کے نتائج پر عمل کیا ہے۔ اس کے علاوہ تمام مسلمانوں کو متفقہ طور پر نماز، روزے، حج زکات خدا کی راہ میں جہاد، امر بالمعروف اور نہی از منکر جیسے اسلام کے بنیادی فرائض کی ادائگی پر ایمان ہے۔ اور اسی طرح متفقہ طور سے ان کو اس حدیث پر بھی ایمان ہے کہ:

" حلال محمد حلال الی یوم القیامۃ و حرام محمد حرام الی یوم القیامۃ۔"

(محمدؐ کی طرف سے حلال امور قیامت تک حلال ہیں اور محمد کی طرف سے حرام کیۓ گیۓ امور قیامت تک حرام ہیں۔)

البتہ اسلام کے مختلف مسلکوں اور نظریات کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ فکری نوعیت کا حامل ہے جس میں علمی بحث و مباحثے اور صاف ستھرے انداز میں جائزے کی گنجائش رہنا ضروری ہے۔

لہذا تمام مسلمانوں کو انسان اور خدا دشمن عناصر نیز مسلمان مخالف سازشوں اور پروپگنڈوں سے مقابلے کیۓ لئے متحد ہونے اور اپنے درمیان موجود ان اختلافات کی بیخ کنی کی دعوت دی گئی ہے جو مسلمانوں کی کمزوری اور ان کی بنیادوں کو نقصان پہنچانے کا باعث بنتے ہیں۔

بلاشبہ مسلمانوں میں اتحاد و انسجام پیدا کرنے کے لئے سب سے اہم کردار علماء، مصنفین اور اسلامی مفکروں کا ہے۔ اس نوعیت کے تمام افراد پر یہ واجب ہے

کہ وہ مسلمانوں کے اتحاد کے لئے مخلصانہ کوششیں کریں ، اور تمام مسلمانوں کے درمیان اسلام کے اعتقادی ، فکری اور شرعی پہلوؤں کی وضاحت کریں اور اس سلسلے میں موجود تمام شکوک و شبہات کو زائل کرکے تخریب کاروں اور اختلاف پیدا کرنے کے ذمہ داروں کی کوششوں کو مٹی میں ملا دیں۔

اپنے اس کتابچے کے حسن ختام کے لئے خداوند عالم کے ان بیانات سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے :

"واعتصموا بحل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا" (۱)

(تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور ایک دوسرے سے الگ تھلگ نہ رہو)

" اقیموا الدین ولا تتفرقوا " (۲)

(دین کو قائم کرواور اس سلسلے میں اخلافات کا شکار نہ ہو۔)

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

---

(۱) آل عمران : ۱۰۳

(۲) شوری : ۱۳